رموزِ خطابت

یعنی

تقریر کے سربستہ راز

از

نذیر الدین احمد (عثمانیہ)

سوانح نگار "سوانح بہادر یار جنگ"

ناشر

حسامی بک ڈپو، مچھلی کمان، حیدرآباد

رموزِ خطابت



یعنی

تقریر کے سربستہ راز

از

نذیر الدین احمد (عثمانیہ)
سوانح نگار "سوانح بہادر یار جنگ"

ناشر
حسامی بکڈپو، مچھلی کمان، حیدر آباد

نامِ کتاب: ـــــــ رموزِ خطابت

تاریخ اشاعت: ـــــــ تیسری مرتبہ مارچ ۱۹۹۰ء

کتابت: ـــــــ محمد عرفان عالم قاسمی

طباعت: ـــــــ گولڈن فوٹو آفسیٹ پریس

قیمت: ـــــــ دس روپیے

ناشر

حسامی بک ڈپو

مچھلی کمان ـــ حیدرآباد

فون: ۵۲۲۲۸۵

مُقدّمہ

از ڈاکٹر سیّد محی الدین قادری زورؔ ایم۔اے، پی، ایچ۔ڈی (لندن)
صدر چادرگھاٹ کالج و معتمد ادارۂ ادبیاتِ اُردو حیدرآباد دکن

فنِ تقریر یا خطابیات ایک ایسا شریف اور اہم فن ہے جس پر قوموں کی ترقی اور تنزل کا دار و مدار رہا ہے، یوں تو نطق ہی ایک ایسی خصوصیت ہے جو انسان کو دوسری مخلوق کے مقابلہ میں امتیاز بخشتی ہے اور اسی کی بناء پر انسان اشرف المخلوقات سمجھا جاتا ہے اور پھر خطابت تو نطق ہی کے استعمال کی ایک معراجی منزل ہے —— اس موضوع پر اردو میں ابتک بہت کم کتابیں لکھی اور شائع کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے پیسہ اخبار کی جانب سے کوشش ہوئی تھی اور اس کے بعد ادارۂ ادبیاتِ اُردو نے فنِ تقریر اور خطابیات کے نام سے دو کتابیں شائع کی تھیں۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہماری زبان کے نوجوان اب اس طرف مائل ہو رہے ہیں اور حیدرآباد میں بھی مختلف انجمنیں (بزم ادب کاچی گوڑہ اور بزم احباب وغیرہ) نوجوانوں کو اس فن میں مشق و مزاولت کی طرف راغب کر رہی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب "رموزِ خطابت" اس قسم کی کوششوں کی ایک نمایاں منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور اس کے نوجوان مرتب نذیر الدین احمد صاحب نے اس موضوع سے متعلق گہرا اور وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اس کو مرتب کیا ہے۔ انہوں نے نہ صرف اُردو ادب سے استفادہ کیا بلکہ انگریزی ادب کی بلند پایہ کتابوں اور ادیبوں کی بھی اس میں صحیح نمائندگی کی ہے۔ اور ہر جگہ سے کام کی اور مفید باتیں مختلف عنوانوں کے تحت جمع کر دی ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ان کی یہ کوشش قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی اور اس فن سے دلبستگی رکھنے والوں کیلئے یہ کتاب ایک عمدہ رہبر کا کام انجام دے گی۔

خاص طور پر اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان تو اس سے بطورِ خاص مستفید ہو سکیں گے۔

اُردو دنیا کو اب اس قسم کی کتابوں کی بے حد ضرورت ہے اس لئے کہ ملک کی آزادی کے بعد ہر طرح کی (انفرادی یا اجتماعی) ترقی کا دار و مدار ان ہی اصحاب پر رہے گا جو اپنے خیالات کو رموزِ خطابت سے واقف ہو کر ادا کرنے کے قابل ہوں گے —— ●●

انتساب

بنام استاد محترم مولانا مولوی اسد اللہ صاحب نور اللہ تربتہ، فرزند علامہ شمسی ؒ

جن معماروں نے جہاں کو بنایا۔ ان کو اہل جہاں بھلا دیتے ہیں اور جنہوں نے بنوایا انہی کو دنیا جانتی ہے۔

مگر — تناور درخت اگر خاموش ہوں تو کیا ہوا۔ انسانی عقل تو خاموش نہیں رہ سکتی کیونکہ فطرتِ انسانی متجسس ہے، درخت کی تناوری اور خموشی خود اس احسان مندی کا ثبوت ہیں جو اس کے محسن کی سعی کا پھل ہیں۔

سنگ اگر ہم رنگ آب ہو جائے تو سنگ کو نہیں بلکہ اس کو ہم رنگِ آب بنانے والے کی طرف دیکھنا چاہیئے کیونکہ

کہتا ہے آئینہ کہ سمجھ تربیت کی قدر
جس نے کیا ہے سنگ کو ہم رنگ آپ کا

فطرت کی وہ عظیم الشان ہستی جس کو عرفِ عام میں انسان کہتے ہیں اور جس کی ہزاروں جلدیں کائنات کے ہر گوشے میں بکھری پڑی ہیں، ہاں ان ہی میں سے چند ایک کائنات کو زندگی دیتے ہیں۔

وہ ستودہ صفات جس نے میرے قلب کو روشنی دی آہ — آج خاموش ہے، آہ۔ صد آہ، وہ عالم باعمل نہ رہا جو مجھ ذرۂ خاک میں آفتاب عالم تاب کی چمک دیکھنے کا متمنی تھا۔

آہ — وہ خاموش ہے۔

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور سارے جانور — اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

عرضِ حال

عقل کا کام سوچنا اور غور و فکر کرنا ہوتا ہے اور اس غور و فکر سے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں انہیں جب عقل ظاہر کرنا چاہتی ہے تو وہ نطق کا سہارا تلاش کرتی ہے، اسی لئے نطق کو آلۂ عقل بھی کہا جاتا ہے، یوں تو یہ آلۂ عقل دیکھنے میں ایک ذرا سی چیز ہے مگر اس کی معجز بیانی و ساحری دم کے دم میں نظام عالم کو درہم برہم کر سکتی ہے

مغربی زبانوں میں اس فن پر کافی کتابیں ملتی ہیں مگر اردو کی کم مائیگی کا یہ عالم ہے کہ اس فن پر صرف آٹھ دس کتابیں لکھی گئی ہیں۔ ارسطو جو خود بھی ایک بلند پایہ خطیب تھا یونانی زبان میں ریطوریقا کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس کا ریٹارک کے عنوان سے انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا ہے۔ عربوں میں بھی اس فن کی باضابطہ تحصیل کی جاتی تھی، چنانچہ ابراہیم بن جبلہ بن مخرمہ السکون اپنے شاگردوں کو خطابت کا درس دیا کرتا تھا، ایک بار بشیر بن معمر اُدھر سے گذرا اور ان طالبانِ فن کو چند اصول بتائے (جو تحریری شکل میں تھے) اور جو جاحظ کی کتاب موسومہ البیان والتبیین میں حرف بہ حرف نقل ہیں۔

میری تحقیق میں ہندوستان میں سب سے پہلے علم املا کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی تھی اسکے بعد غالباً کاشی ناتھ نامی ایک شخص نے ایک پمفلٹ بہ عنوان "مجلس علم میں تقریر کرنیکے قواعد" شائع کیا۔ پیسہ اخبار نے ۱۹۰۶ء میں فن تقریر پر ایک کتاب شائع کی، ادارۂ ادبیات اُردو نے دو کتابیں اسی موضوع پر پیش کیے اور دہلی وغیرہ سے بھی اس موضوع پر تین چار کتابیں شائع ہوتی ہیں۔

مجھے اس فن پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس ہوئی کیوں کہ میں نام نہاد ہی مگر مقرر ہوں اس طرح مجھے اپنے ساتھیوں کی کمزوری اور خود میری اپنی کمزوریوں کا صحیح جائزہ لینے کا موقعہ ملتا رہا ہے اور اب میں لاطینی زبان کے شہرۂ آفاق خطیب کوئن ٹیلین کی زبان میں کہہ سکتا ہوں کہ "ایک تقریر جو از حد بے التفاتی اور بے توجہی سے کی گئی ہے ایسی تقریر کا اثر دوسری ایسی تقریر کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہوگا جس میں خطابت کے اصولوں سے کام نہ لیا گیا ہو چاہے دیگر اعتبارات سے دوسری تقریر بہتر ہی کیوں نہ ہو" ——— مجھے امید ہے کہ یہ کتاب مبتدیانِ فن کیلئے وہی کام کریگی جو کام الماس کیلئے جلا کار انجام دیتا ہے۔

عزیز الدین احمد

فہرست

باب اوّل

خطابت کی اہمیت

افادیت و سحر کاری

ویانہ کا مشہور و معروف ڈاکٹر سگمنڈ فراڈ (جو مشہور زمانہ اور ماہر نفسیات تھا) کہتا ہے :۔

"آپ اور ہم جو کچھ کرتے ہیں اس کے وہ محرک ہیں اولاً خواہش نفسانی کی پیروی ثانیاً ذاتی عظمت کی ہوس"

امریکہ کا فاضل فلاسفر جان ڈیوی اس مقولہ کو اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے :۔

"انسان کی انتہائی خواہش یہ ہے کہ اس کو نمایاں شخصیت حاصل ہو"

ہاں! یہی وہ جذبہ ہے جو خود اُبھرتا ہے اور شخصیت کو اُبھارتا ہے۔

کیا آپ امریکہ کے مشہور ماہر نفسیات ڈیل کارنیگی کو جانتے ہیں؟ یہ مسوری کے ایک مزرعہ میں جو ریلوے سے دس میل دور ہے پیدا ہوا بارہ سال کی عمر تک موٹر کار بھی نہ دیکھی تھی مگر چھیالیس سال کی عمر کو پہنچتے ہی قطب شمالی کے اس قدر نزدیک پہنچ گیا کہ امیر البحر برڈ کو قطبِ

جنوبی کے اتنا قریب پہنچنا نصیب نہ ہوا تھا، یہ ایک ایسے کسان کا لڑکا ہے جو پندرہ آنے اُجرت پر دن بھر گھاس کاٹتا پھرتا تھا لیکن آج اس کا بیٹا ہزاروں متمول تاجروں اور مشہور و معروف کمپنی کے ڈائرکٹروں کو سلیقۂ گفتگو سکھا رہا ہے جس کی شہرت ولیاقت سے متاثر ہو کر رائل ہائینس پرنس آف ویلز نے شرف باریابی بخشا، آخر یہ سب کچھ کیوں کر ہوا؟

کارنیگی کے کالج میں چھ سو طلبا تھے اور کارنیگی ان آدھی درجن لڑکوں میں سے تھا جو دوپہر کے کھانے کا انتظام تک کرنے سے معذور تھے تنگ کوٹ اور چھوٹے پائجامے والا کارنیگی ہمیشہ اپنی مفلسی پر آنسو بہایا کرتا۔ مگر ایک بار اس کی نظر ان بچوں پر پڑی جو کالج میں فوقیت و امتیاز رکھتے تھے اور جن کا بے حد اثر تھا، یہ برتری انہوں نے فٹ بال، بیس بال (ایک قسم کا امریکن کھیل) اور بحث و مباحثے کے مقابلوں میں شرکت و کامیابی سے حاصل کی تھی، لیکن کارنیگی کو ورزش کے کرتبوں اور دوسرے کھیلوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے موثر و دلاویز تقریر کرنے کی صلاحیت پیدا کی اور فن تقریر میں کمال حاصل کیا۔

اس طرح تنگ کوٹ اور چھوٹے پاجامے والا کارنیگی جو دوپہر کے کھانے کے انتظام سے بھی معذور تھا۔ امریکہ میں فی منٹ پندرہ روپیہ کماتا رہا اور جس کی شہرت چار دانگ عالم میں پھیل گئی۔

ڈیل کارنیگی کی طرح آپ بھی اپنی سوئی ہوئی قسمت کو جگا سکتے ہیں نہ صرف ڈیل کارنیگی بلکہ تاریخ فن خطابت میں ایسی ہزاروں مثالیں ہیں جنہوں نے خطابت سے اپنی زندگی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

برطانوی وزراء میں ریمزے میکانلڈ بھی مشہور وزیر گذرا ہے ایک زمانے میں وہ تلاش معاش میں سرگرداں تھا، انتہا یہ کہ اس کی مزدوری اتنی قلیل تھی کہ چائے کی بجائے گرم پانی پی کر طبیعت کو تسکین

دیا کرتا تھا ـــــــ اس نے ترقی کی اور اس کی ترقی و شہرت کے اسباب میں ایک سبب اس کا موثر سلیقۂ تقریر بھی ہے۔

لیکن موثر سلیقۂ تقریر کا مفہوم یا فن تقریر میں کمال حاصل کرنے کا مقصد ذاتی اغراض کی تکمیل یا اپنی شان و وجاہت میں اضافے کے اسباب پیدا کر لینا نہیں ہے، بلکہ یہ فن دنیا کے شریف ترین فنون میں سے ایک ہے جس کی ضرورت، اہمیت و افادیت کو ہر زمانے میں یکساں طور پر محسوس کیا جاتا رہا ہے۔ تب ہی تو سارجنٹ نے کہا تھا:۔

"مقررین نے ہر ملک اور ہر زمانے میں امتیاز حاصل کیا ہے"۔

مقدونیہ کے بادشاہ فلپ فیلقوس نے ایک مقرر کو اس کی لیاقت کی قدردانی کے طور پر دس ہزار باشندوں کا ایک گاؤں عطا کرتے ہوئے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ:

"یہ کوئی قدردانی نہیں ہے"

فن تقریر کی اہمیت و افادیت ہی کا نتیجہ ہے جس سے متاثر ہو کر مشہور فلسفی مسٹر لاک (۱۶۳۲ــ۱۷۰۴) نے اپنے مرتبہ نظام تعلیم میں اس کے حصول کو ضروری قرار دیا۔

یہی وہ قوت ہے جو ہم جنسوں میں ممتاز کرتی، ناممکن کو ممکن العمل بناتی، دلوں پر حکومت کرتی اور قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کرتی ہے۔

یہی وہ قوت ہے جس سے متاثر ہو کر آج سے دو ہزار سال پہلے ایتھنز کی سرزمین میں دنیا کے لائق ترین انسان اور ثقافت و تمدن کے امام پر ملیش، انتیس اور لیکون نے (۳۹۹ ق-م) مقدمہ دائر کیا تھا۔

یہ ارسطو کی مخالفت نہ تھی بلکہ خطابت کے اثر کا اعتراف تھا جو بظاہر "ساتھیو، ہوشیار رہو، دیکھو ارسطو ایک جادو بیان مقرر ہے"۔ کی صورت میں ظاہر ہوا مگر ان الفاظ کے پردے میں خطابت کی اثر پذیری

کا اعتراف پوشیدہ تھا، حقیقت تو یہ ہے کہ ایک مقرر حقیقت میں شیرازۂ زندگی ہے جو اثر کے کاغذ پر اپنا دل و دماغ کھول کر رکھ دیتا ہے جس میں ہر حرکت اور ہر تمنا جیتی جاگتی اور گھٹتی بڑھتی نظر آتی ہے۔

گذشتہ زمانے میں اس فن کے کرشمے زیادہ تر ان ایام میں ظاہر ہوتے تھے جب کہ کسی وجہ سے جوش و انقلاب عوام میں پیدا ہو جاتا تھا یا جوش و انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔

جنرل ڈیر پورا نے برسوں اہل ہسپانیہ کے قلوب پر قبضہ جما رکھا جب کبھی وہ کسی مہم کو سر کرنا چاہتا تھا اپنے محل سے نکلتا اور عوام کے قلوب کو مخاطب کرتا، بالعموم وہی ہوتا جو وہ چاہتا۔

ہندوستان کے جابر گورنر وارن ہیسٹنگز پر ناقابل برداشت مظالم اور شدید اذیتیں پہنچانے کے الزام میں انگلستانی پارلیمنٹ کے چند ممبروں کی جانب سے مقدمہ دائر کیا گیا تھا، پارلیمنٹ میں ہیسٹنگز کے بھی احباب موجود تھے اور ان میں سے ایک تو ایسا بھی تھا جو حقیقی معنوں میں وارن ہیسٹنگز کو اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔

انگلستان کا مشہور جادو بیان شریڈن، وارن ہیسٹنگز کے وکیل مخالف کی حیثیت سے کھڑا ہوا اور تقریر شروع کیا۔ شریڈن کو تقریر کئے ہوئے (۶۰) منٹ ہوئے تھے۔ اتنی مختصر مہلت ہی میں وارن ہیسٹنگز کا جگری دوست بول اٹھا:۔

"وارن ہیسٹنگز! یہ کیا بک رہا ہے؟؟"

دوسرے گھنٹے کچھ اور تغیر ہوا، تیسرے گھنٹے اس پر سکوت طاری ہو گیا، چوتھے گھنٹے اس نے کہا:

"وارن ہیسٹنگز! الزام کچھ صحیح معلوم ہوتے ہیں ___ واقعی تم نے بہت بُرا کیا!"

یہ پانچویں گھنٹے کی آواز تھی، چھٹے گھنٹے وہ بے اختیار بول اٹھا:

"ہیسٹنگز تم نے بڑا غضب کیا تم یقینی مجرم ہو۔"

ساتویں گھنٹے شریڈن نے اپنی تقریر ختم کی، ہیسٹنگز کے جگری دوست کی زبان دل کی ترجمان بن گئی وہ بے اختیار بول اٹھا:

"ہیسٹنگز تو واقعی شیطان ہے۔"

جس وقت شریڈن "میں تجھ پر ملامت کرتا ہوں اس لئے کہ ____؟" الفاظ ادا کرتا تو سارے ایوان میں نفرت وحقارت کی لہر دوڑ جاتی۔

یہ کیا ہے؟

یہ خدا کی دی ہوئی طاقت ہے جو کبھی عطا کی صورت میں اور کبھی کسب کی شکل میں حاصِل ہوتی ہے۔

جب قوموں پر جمود وتعطل کا دورہ پڑتا ہے یا یوں کہئے کہ جب قومیں جمود وتعطل کے دورے میں مبتلا ہوتی ہیں تو ایسی صورتوں میں خدائے عزوجل ان ہی میں سے ایسے آتش بیاں اور فصیح اللساں مقرر پیدا کرتا ہے جو اُن کی غفلت کو بیداری سے اور بے حسی کو حس سے بدل دیتے ہیں۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ انقلاب امم میں شاعر کا قلم، مجاہد کی تلوار اور مدبر کے دماغ کے ساتھ ساتھ خطیب کی زبان بھی کار فرما رہی ہے۔

دنیا کی متمدن اور شائستہ قوموں نے فن خطابت میں امامت کے فرائض انجام دیئے۔ کون نہیں جانتا کہ عرب، یونان، روم، فرانس اور اہل فرنگ اپنے زمانے میں اس فن کے امام تھے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ وہ قوم گونگی ہے جس قوم میں خطیب نہ ہو اور اس قوم کی قسمت کبھی سو نہیں سکتی جس قوم میں خطیب ہو۔

یہ اور بات ہے کہ ضروریات زمانہ نے تقریر کے مفہوم و منشار میں وسعت پیدا کی اور اس وسعت کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب تقریر کے لئے کوئی خاص موضوع قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ ہر عنوان پر تقریر کی جا سکتی ہے۔

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ زبان اُردو کی ابتدار مذہبی کتابوں سے ہوئی اور اس طرح ضرورت کے اقتضار نے پہلے پہل تقریر کو بھی مذہب کی گود میں پروان چڑھایا جب کہ سیاسی بیداری نہ تھی اور مذہب ہی کے چرچے تھے، اس لئے تقریر کے عنوانات بالعموم مذہبی ہوا کرتے تھے۔

چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں علم کے سورج نے اپنی نورانی کرنوں سے دنیا کو منور کیا، کون نہیں جانتا کہ علم و تہذیب کی دولت، یونان و روم ہی کی سرزمین سے عام ہوئی جو قبل مسیح ہی سے مختلف علوم و فنون کا مخزن و گہوارہ تھا، قطع نظر اس کے کہ ہم انفرادی حیثیت سے مقررین کے کارناموں پر غور کریں، بہتر ہوگا ان مختلف ممالک کا تفصیلی جائزہ لیں جو اس فن کے امام ہیں یا رہے ہیں۔

کیوں کہ انفرادی حیثیت میں مختلف ممالک کے سحرالبیانوں کے نام اور ان کی جادو بیانی کی داستانیں زبان زدِ خاص و عام ہیں۔

کون نہیں جانتا کہ یونان میں فیلقوس کی شورشوں کو ڈیماستھنیز اور لی سیاس نے اپنی نطق کی ساحری سے کس طرح متاثر کیا۔

قیصر جولیس نے روم کی بدامنی کے زمانے میں اپنی فصاحت ہی کو وقت کی ضرورت کا ہتھیار ثابت کیا، انقلاب فرانس نے مسرابو کو دنیا کے سامنے لا کھڑا کیا، اٹھارویں صدی کے جوش انگیز واقعات نے برکس، فاکس اور شریڈن جیسے نامور اور فصیح و بلیغ مقررین کے نام جریدۂ عالم پر ثبت کئے۔

تحریک خلافت کے دوران میں تو ہندوستان میں گونگے بولنے

لگے اور بہرے سننے لگے۔

شخصی حیثیت سے قابلِ ذکر تقریروں میں وکٹر ہیوگو کی تقریر اور ایک قرطاجنی کی شعلہ بیانی بھی قابلِ ذکر ہے، ۱۸۵۱ء فرانس میں ایک مجرم کو دار پر چڑھا دیا جا رہا تھا، اس نے بہت شور مچایا۔ مزاحمت کی مگر اس کی کوئی سعی کارگر نہ ہوئی، بالآخر وہ سولی پر چڑھا دیا گیا۔

فرانس کے مشہور شاعر و ادیب وکٹر ہیوگو کا لڑکا چارلس ہیوگو یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ دل بے قرار ہو گیا۔

سزائے قتل کے خلاف "لی آیوین منٹ" میں ایک مضمون شائع کیا مگر حکومت نے اسے قانون کی توہین سمجھ کر چارلس پر مقدمہ دائر کر دیا۔

۱۱ جون ۱۸۵۱ء کو مقدمے کا آغاز ہوا، بیٹے کی طرف سے باپ نے پیروی کی۔ فرانس کے اس مشہور شاعر و ادیب نے قوتِ بیان و استدلال سے قانون کے پرخچے اُڑا دیئے اور تاریخِ خطابت میں ایک نہ مٹنے والی یادگار قائم کی۔

رومی قرطاجنوں کو شکست دینے کے بعد یہ شرط پیش کی کہ فوراً شہر خالی کر کے ۱۰ میل کے فاصلے پر دوسرا شہر آباد کیا جائے لوگوں پر مُردنی چھا گئی مگر ایسے وقت ایک قرطاجنی مقرر نے لوگوں کو جگایا اور کہا:

"دیوتا ہماری قوم پر ہمیشہ مہربان رہے اور ہمیں سُرخرو، سربلند اور مالا مال رکھا لیکن روم کے ذلیل النفس اور سنگ دل کمینے ہم پر حسد کرتے ہیں اور مدت سے ہمارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں ہم نے خونریزی ختم کرنے کے لئے ایسی شرطیں منظور کر لی تھیں جس کی کسی شریف قوم سے توقع ہو سکتی ہے۔"

"لیکن اب وہ ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ہم اپنا وطن بھی ان

کے حوالہ کر دیں، یہ ناممکن ہے، ہم مر جائیں گے مگر اپنا وطن اور یہ مقدس سرزمین دشمن کے حوالے نہ کریں گے"۔

اس تقریر نے دلوں میں آگ لگا دی، ڈھنی ہوئی ہمتیں پھر سے بندھ گئیں، حوصلے اُبھر گئے، معرکے کی جنگ ہوئی، سڑکوں پر مورچے قائم ہو گئے، ہر گھر ایک مورچہ بن گیا، ایک ایک مکان کو فتح کرنے کے لئے ایک ایک قدم پر رومیوں کو اپنا خون بہانا پڑا۔ سب ہی بہادرانہ طریقے پر قتل ہوئے۔ قرطاجن میں آگ لگا دی گئی جو کامل طور پر سترہ دن تک جلتا رہا۔ ہاں یہ ساحری ہے!!۔ فن خطابت کی ساحری کا باب ادھورا رہ جائے گا اگر قرۃ العین کی ساحری کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

یہ ایران کی مشہور و معروف خطیبہ تھی جس کی ساحری نے مذہب کی آڑ میں بغاوت کے شعلے بلند کئے، حکومت ایران اُسے سزائے موت دینے پر مجبور ہو گئی، کیوں کہ خطابت کی ساحری سے شاید وہ کچھ زیادہ نقصان پہنچاتی ۔ ہاں! خطابت ایک جادو ہے، قرۃ العین نے سچ کہا تھا:

"دیکھو، دیکھو، یہ تمہارے بھڑکتے ہوئے شعلے جہنم کی صورت نہ اختیار کر لیں، جلدی کرو، جلدی کرو!" اگر یہ چند لمحے اور سلامت رہے گی تو سلطنت کے اندر ایک اور طوفان اُٹھ کھڑا ہوگا"۔

لیکن انفرادی کارناموں کے تذکرے ہی سے فن تقریر کی اہمیت کا کلیتاً اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اَب ہم کچھ جداگانہ طریقے پر ان ممالک کی تاریخ خطابت کو مختصراً بیان کریں گے جو اس فن کے امام ہیں یا رہے ہیں:۔

یونان

یونان کی جمہوری ریاستوں میں جس ریاست نے علوم وفنون میں سب سے بڑھ کر قدم اٹھایا وہ ایتھنز کی سرزمین ہے، ان کی طبیعتوں میں جمہوری حکومت کا جوش اور آزادی کا جذبہ بھرا ہوا تھا، ان کے افراد جمہور پسند تھے، متواتر و مسلسل انقلابات جو ان کی طبیعتوں میں رونما ہوتے ان کے جذبات کی رہبری کے لئے ان کے فصحاء کو وقتاً فوقتاً تقریر کرنے کی ضرورت پڑتی۔

بعض اوقات حسب دستور رعایا کی طرف سے امور سلطنت پر اظہار رائے کیلئے فصحائے وقت مقرر کئے جاتے تھے، پالی ٹریٹس وہ پہلا شخص ہے جس نے اپنے آپ کو مقرر کے درجے سے ممتاز کیا پالی ٹریٹس کے بعد پریکلیز نے فن خطابت کو ایک مقام دیا۔ یہی وہ شخص ہے جس نے یونان کی سرزمین پر چالیس برس تک اپنی خطابت کے زور پر اپنا اقتدار جمائے رکھا، اس کے زور واثر سے متاثر ہو کر اس کو اولمپس (جیوپیٹر کا دربار، مراد قسمتوں کا دیوتا) کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد یونان کی سرزمین نے کئی ایک نامور پیدا کئے جن میں کلی زون، السی بے ایڈیز، کرسٹی اکس اور ڈیموستھینز اور سقراط مشہور ہیں۔ آئسا کریٹنز کی اخلاقی تقریروں کا دور بھی یونان کی فن خطابت کی تاریخ کا ایک یادگاری باب ہے۔

مختصر یہ کہ یونان جہاں تہذیب و تمدن کا امام اور علم و فن کا گہوارہ تھا وہیں وہ فن خطابت کا مسکن اور اس کی ابتداو ترویج کا منبع۔

روما

اہل روم ایک وحشی اور جنگجو قوم تھے جن کا علم وفنون سے کوئی تعلق نہ تھا مگر یونان کی فتح کے بعد ان کے رجحانات میں کافی انقلاب پیدا ہوا اور اس طرح یہ علم وفن کی طرف مائل ہوئے۔

عرصے تک اہل روم میں کوئی باکمال مقرر پیدا نہ ہوا لیکن عرصہ بعد آسمانِ خطابت پر ایک روشن ستارہ چمکا جس کو دنیا سسرو کے نام سے جانتی ہے۔ بقول شخصے:

"یہ روشن ستارہ بھی دنیا کو اپنی روشنی دکھانے کے لئے اٹھا اور حق تو یہ ہے کہ ایسی روشنی دنیا نے بہت کم دیکھی تھی۔"

فن تقریر کو مصفّا ومجلّا کرنے میں فاتحین یونان نے امکانی کوشش کی اور ان کی یہ کوششیں بارآور ثابت ہوئیں، روما کے ایک مشہور فصیح کا قول ہے کہ

"فصاحت آزادی کا بہترین ثمر ہے۔"

یونان وروما کے قدیم تاریخوں میں بعض ایسی روایات محفوظ ہیں جن کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے ہر ضرورت پر خطابت کو آلۂ کار بنایا۔

"سسرو — کی موت کے بعد روم کی آزادی خاک میں مل گئی اور یہ فن بھی روم کی سرزمین سے رخصت ہوگیا۔"

عرب

عربوں میں تقریر کا رواج بہت قدیم زمانے سے تھا۔ مختلف تقاریب کے موقعوں پر مختلف قبیلوں کے خطیبوں کا آپس میں

مقابلہ ہوتا تھا اور ان خطیبوں کو وہ اپنے قبیلے کی زبان سمجھتے تھے۔
قبیلۂ عبدالقیس دو شاخوں میں منقسم ہوگیا تھا۔ ایک حصہ عمان میں آباد ہوگیا اور دوسرا بحرین میں جابسا۔ جو شاخ بحرین میں آباد تھی اُسے شاعری میں کمال حاصل تھا اور عمان والی شاخ خطابت میں امتیازی شان رکھتی تھی، بعض عربی قبایل مثلاً بنو شعیان، بنو تمیم کو خطابت میں کمال حاصل تھا۔

قبائل سے اُتر کر خاندانوں میں یہ خصوصیت پوری طرح جلوہ گر نظر آتی ہے۔ یزید بن ابان ایک خاندانی خطیب تھا اس کے خاندان والے سب ہی خطیب تھے۔

اہل عرب خطابت کے ساتھ ساتھ خطیب کی بھی عزت کرتے تھے، اہل عرب کی خطابت کا اندازہ ایک معمولی بدوی کے اس جملے سے کیا جاسکتا ہے جو وہ ایک خطیب کی شان میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہتا ہے:

"اس کی زبان اونٹنی کی دم کی طرح حرکت کرتی اور سانپ کی طرح چلتی ہے۔"

کعب بن لوی ارضیار عرب کا ایک مشہور خطیب تھا، عرب میں اس کی بے حد عزت کی جاتی تھی جب اس کا انتقال ہوا تو اہل عرب اس کی خدمات کے اعتراف میں اپنے سنہ کی ابتدا اس کے انتقال سے کی جو عام القول تک جاری رہا ___ اس سے آپ عرب کے ایک خطیب کی عظمت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

بیعۃ الرائے، جبیر، سعد بن عبادہ، عبداللہ بن عامر، مصعب بن عمر، ابو تمیر، ابراہیم بن تیار النظام، عرب میں کئی ایک مشہور اور جادو بیان گذرے ہیں۔ جوش، اہل عرب کی تقریر کا ایک لازمی جز تھا، ایک بار حضرت امیر معاویہ نے صحارا ابن عیاش عبدی سے پوچھا:

"تم میں یہ بلاغت کیوں کر پیدا ہوئی؟" وہ بولا:۔

" وہ ایک چیز ہے جس کو ہمارے سینے کا جوش ہماری زبان پر پھینک دیتا ہے "

اہل عرب اگرچہ فطرتاً خطیب ہوتے تھے تاہم وہ بھی فن خطابت کی مشق وتعلیم سے بے نیاز نہ تھے ۔ ابراہیم بن جبلہ بن مخرمہ السکون اپنے شاگردوں کو خطابت کا درس دیا کرتا تھا۔ ایک بار بشیر بن معمر اُدھر سے گذرا۔ بشیر بن معمر نے ان نوجوانوں کو ایک تحریر دی جس میں خطابت کے اصول درج تھے ۔ چنانچہ جاحظ نے کتاب موسومہ "البیان والتبیین" میں اس کو حرف بحرف نقل کیا ہے ۔

آنحضرتؐ اور آپؐ کے خلفا راہم موقعوں پر تقاریر کے ذریعے اپنے خیالات اور موقف کو ظاہر فرمایا کرتے تھے، آنحضرت صلعم کا آخری خطبہ جو خطبۂ حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے اپنی تاریخی حیثیت رکھتا ہے ۔ علاوہ ازیں جنگِ بدر، بیعت رضواں اور دیگر کئی مواقعوں پر آپؐ نے تقریریں فرمائیں ۔

خیبر کے مالِ غنیمت کے بارے میں قریش و انصار میں سخت اختلاف پیدا ہوا، انصاریوں نے تو یہاں تک کہا کہ

" قریش کو مالِ غنیمت ملتا ہے اور ہم، جن کی تلواروں سے قریش کا خون ٹپکتا ہے محروم رکھے جاتے ہیں "

بعضوں نے کہا:

"مشکلات میں ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت کے وقت دوسروں کی یاد ہوتی ہے "

آں حضرت صلعم کو اطلاع ملی، آپ کو بڑا ملال ہوا، اس موقعہ پر آپ نے پُر اثر اور معرکۃ الآراء تقریر فرمائی جس کا مقصد دفع شر تھا۔ آپؐ نے فرمایا:۔

"کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعے تمہاری ہدایت کی۔ تم منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعے سے تم میں اتفاق پیدا کیا۔ تم مفلس تھے خدا نے میرے ذریعے تم کو دولتمند بنایا؟"

دورانِ تقریر میں انصار "خدا اور رسول کا احسان بڑھ کر ہے" کے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف کرتے، پھر آپؐ نے فرمایا:۔

"تم یہ جواب دو کہ محمدؐ، جس وقت لوگوں نے تجھ کو جھٹلایا اس وقت ہم نے تیری تصدیق کی، جب لوگوں نے تجھ کو چھوڑ دیا اس وقت ہم نے تجھ کو پناہ دی، تو اپنے یہاں سے مفلس آیا تھا، ہم نے ہر طرح سے تیری مدد کی، تم یہ کہتے جاؤ، میں جواب دیتا جاؤں گا کہ ہاں تم سچ کہتے ہو۔ لیکن کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم محمدؐ کو اپنے گھر لے کر جاؤ۔"

یہ سحر آفریں خطبہ سُن کر انصار چیخ اُٹھے اور کہا "ہاں! ہمیں صرف محمدؐ چاہیئے۔"

جب حضرت عمرؓ کو سرکار دو عالمؐ کے وفات کی اطلاع ملی آپ وارفتگی و جذبۂ عقیدت و محبت سے مدہوش ہو گئے، اپنی تلوار میان سے نکالی اور فرمایا جو شخص کہے گا کہ رسول اللہ نے وفات پائی تو اس کا سر قلم کر دوں گا۔ حضرت ابو بکرؓ تشریف لائے، مسجد کے ہر دروازہ پر وارفتگان محبت میں شور برپا ہے۔ سیدھے حضرت عائشہؓ کے کمرے میں داخل ہوئے، رُخِ انور سے نقاب اٹھایا پیشانی مبارک کو بوسہ دے کر جب حجرے سے نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ قسم کھا کھا کر وفات نبوی کا انکار کر رہے ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے بہت سمجھایا مگر کسی کی سمجھ میں نہ آیا آپ نے اپنی دینی بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے ایک بصیرت آموز تقریر فرمائی "جو لوگ محمدؐ کی پرستش کرتے تھے وہ مر گئے

اور جس نے خدا کو پوجا وہ بے شک زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا۔"

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

وَ مامحمّد الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل

(محمد صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں)

یہ تقریر ایسی دلنشیں تھی کہ وارفتہ محبت صحابہ کی نگاہوں سے پردہ اٹھ گیا اور وہ مطمئن ہو گئے۔

حسن بن محمد سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سہیل بن عمرو ایسا کام یا تقریر کرے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے، یہ بات آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمائی تھی۔ (بیہقی وحاکم)

رسول اللہؐ کی یہ پیشین گوئی بالکل صادق آئی، سہیل بن عمرو جب کفر کی حالت میں تھے تو ان کی تقریر اتنی جوشیلی ہوتی تھی کہ کافروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشتعل کر دیا کرتے تھے، بڑے قادر الکلام مقرر تھے، جب یہ جنگ بدر میں قید ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو سہیل کے اگلے دو دانت توڑ دوں تاکہ اس کی آواز خراب ہو جائے اور اس کی تقریر کی قوت جاتی رہے۔ اس طرح یہ ہمارے خلاف کافروں میں پُرزور تقریر نہ کر سکے گا۔ اس موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیشین گوئی فرمائی تھی کہ نہیں دانت نہ توڑو، امید ہے کہ یہ اپنی تقریر سے تم کو خوش کر دیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب رسول اللہؐ کی وفات کا حادثہ جاں گداز پیش آیا اور یہ خبر مکہ میں پہنچی کہ رسول اللہ وفات پا گئے تو لوگوں میں بے حد پریشانی و حیرانی ہوئی، لوگوں کے ایمان متزلزل ہونے لگے، صحابہ کا بیان ہے کہ ہم نے رسول اللہؐ کو سپرد لحد کر کے اپنے ہاتھوں کی مٹی بھی نہ جھاڑی تھی کہ

ہم اپنے دلوں میں تبدیلی پانے لگے تھے، ایسے وقت سہیل نے مکہ میں کھڑے ہو کر اسی طرز کا خطبہ دیا جس طرز کا مدینہ میں ابو بکر صدیق رضؓ نے دیا تھا، سہیل کے خطبہ سے لوگوں کو تسلی ہوئی اور دین پر ثابت قدم رہے۔ سہیل خطبہ دینے سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلعم کی بات پوری ہوئی کہ سہیل نے اس دن مسلمانوں کو اپنی ایمان افروز تقریر سے خوش کر دیا اور لوگوں کے مجروح دلوں پر مرہم کا کام کیا۔

خلفائے اسلام نے مختلف اہم اور نازک موقعوں پر جو مؤثر تقریریں کیں وہ خطابت عرب کی زندہ یادگاریں ہیں۔

مصر کے باغی، کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کئے ہوئے ہر طرح حضرت عثمان رضؓ و آل عثمان رضؓ کو مشق ستم بنا رہے تھے اس محاصرے کے تباہ کن نتائج کو محسوس کرتے ہوئے قصر خلافت سے نمودار ہو کر حضرت عثمان رضؓ فرماتے ہیں:

"لوگو[1]! تم میرے قتل کے کیوں درپے ہو، میں تمہارا والی اور مسلمان بھائی ہوں، خدا کی قسم جہاں تک میرے بس میں تھا، میں نے اصلاح کی کوشش کی لیکن بہرحال میں انسان ہوں اس لئے اصابتِ رائے سے لغزشیں بھی ہوئیں۔

یاد رکھو! بخدا اگر آج تم نے مجھے قتل کر دیا تو پھر تا قیامت نہ ایک ساتھ نماز پڑھو گے اور نہ ایک ساتھ جہاد کرو گے"

حضرت علی رضؓ کے فضل و کمال کا اپنے تو اپنے، غیر بھی معترف ہیں، جہاں آپ دیگر علوم و فنون میں یکتائے روزگار ہیں وہیں فنِ خطابت میں بھی لاجواب، خوارج کی فتنہ انگیزی کو دبانے کیلئے آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ اور قیس بن سعد انصاری رضؓ

---

[1] ابن سعد ۳ ق ۱ ص ۴۴۔

کو بھیجا لیکن ان ہر دو اصحاب سے معاملہ طے نہ ہو سکا۔

اتمامِ حجت کے لئے حضرت علیؓ خود تشریف لے گئے اور حسب ذیل تقریر فرمائی:۔

"اے وہ گروہ جسے محض ضد نے پیدا کیا ہے اور خواہش نفس نے اسے قبول حق سے روکا ہے، تم لوگ شبہ و غلطی میں مبتلا ہو۔ میں تم کو اس بات سے متنبہ کرتا ہوں تاکہ تم گمراہی پر قائم نہ رہو اور ایسی حالت میں نہ مارے جاؤ کہ خدا کے سامنے تمہارے لئے کوئی دلیل باقی نہ رہے"[1]

اسلام کی تعلیمات سے ایران، ترکستان، مصر اور شام وغیرہ میں تقریروں کا رواج عام ہوا۔

انگلستان

پندرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں اہل انگلستان میں یونانی و لاطینی زبانوں کے سیکھنے کا شوق بیحد عام ہوا۔

ان زبانوں میں علم و فن کے خزانے چھپے پڑے ہیں، اہلِ انگلستان ان سے خاطر خواہ متمتع ہوتے رہے، انگریزوں کے سائنسی دور کا آغاز بھی پندرھویں صدی عیسوی کے بعد سے شروع ہوتا ہے اس طرح جہاں انگریزوں نے مختلف دیگر علوم و فنون یونان و روم سے سیکھے وہیں فن خطابت میں بھی وہ ان ہی ممالک کے خوشہ چیں دکھائی دیتے ہیں۔

---

[1] اخبار الطوال ص ۲۲۱۔

لیکن جس کسی میدان میں انگریزوں نے قدم رکھا وہ اس میدان میں اوروں سے آگے بڑھ گئے۔

انگلستان نے کئی ایک نامور خطیب پیدا کئے، خود انگلستان کے کئی ایک وزراء مثلاً بالڈون وغیرہ نامور خطیب گذرے ہیں۔ گلیڈ اسٹون، جان برائیٹ، شریڈن، اڈمن، برکس، فاکس اور دیگر کئی ایک فصحاء سرزمین انگلستان سے پیدا ہوتے اور اس کے بعد مسٹر چرچل اپنی خطیبانہ صلاحیتوں میں لاجواب سمجھے جاتے تھے..... اور دیگر کئی ایک مقرر مثلاً بیون، اٹلی، انیھتونی ایڈن وغیرہ بھی اپنی ساحری میں لاجواب سمجھے جاتے ہیں۔

ہندوستان

ہندوستان کسی کمال میں کسی اہل کمال سے پیچھے نہیں رہا۔ ہندوستان میں اس فن کی ابتدا کب سے ہوئی اس کا صحیح اندازہ مشکل ہے لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ راجہ اشوک نے اس فن میں بہت سی جدتیں کیں۔ یہ مذہب کے پرچار کے سلسلے میں ایک بڑا ہتھیار سمجھا جاتا رہا ہے۔ ہندوستان میں وہ دو حق کے پیامی (مہاتما بدھ، مہابیر جی) جو حق کی تلاش میں صحرانورد ہوئے یہ بھی اس فن میں اپنی مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط سے جو ردِ عمل ہوا وہ ان کی سیاسی بیداری کا پیش خیمہ ثابت ہوا اور اس طرح تقریر کے مفہوم و منشا میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ اگرچہ انگریز حکومت نے ہندوستان کی ترقی کے دروازوں کو بند کرنے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کر لی مگر یہ رکاوٹیں عوام کی سیاسی بیداری کا پیش خیمہ

ثابت ہوئیں اور اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ مختلف قومی، مذہبی اور سیاسی انجمنیں وجود میں آئیں۔

تحریک خلافت سے ہندوستانیوں کی سیاسی زندگی کی تجدید ہوتی ہے اور اسی تحریک کا نتیجہ تھا کہ گونگے بولنے لگے اور بہرے سننے لگے۔

ہندوستان میں پہلی بار لالہ بھگوان داس (ڈیرہ اسمٰعیل خان) نے ہندوستانی میں تقریر کی، اس کے بعد کئی ایک اس زبان کے نامور خطیب اس سرزمین نے پیدا کئے۔

ہندوستان کے مشہور خطیبوں میں بابو کیشب چندر سین، دادا بھائی نوروزجی، سرسید احمد خاں، محسن الملک، دیش بندھو داسی، نذیر احمد، لوکمانیہ تلک، گھوکھلے، عزیز مرزا، مولانا محمد علی، موتی لال نہرو، سر سپرو، سر علی امام، قائد اعظم اور گاندھی جی قابلِ ذکر ہیں۔

سرینواس شاستری، سروجنی نائیڈو اور نواب بہادر یار جنگ کو ہماری نظروں سے اوجھل ہوئے کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا جن کی خطابت کی تعریف زبان زدِ خاص و عام ہے۔

ساتھ ہی عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا ابوالکلام آزاد سر راماسوامی مدلیار، ستل واڈ اور سر ظفر اللہ خاں جیسے عظیم المرتبت خطیب تاریخِ خطابت میں یادگار حیثیت کے حامل ہیں۔

متذکرہ بالا ایسے جادو بیان تھے کہ ان کے نزدیک مجمع کی حیثیت ایک آلہ بے روح کے مانند تھی جب وہ بولتے تھے تو سارا مجمع ایسا محو سماعت ہوتا... کہ قوت فیصلہ ان سے (عوام سے) سلب ہو جاتی تھی۔

ہمیں اس امر کا افسوس ہے کہ آج ہندوستان و پاکستان میں بیشتر ایسے فرقہ پرست نام نہاد مقررین کا دور دورہ ہے جو صرف بولنا جانتے

ہیں۔ ایسے ہی مقررین سے متعلق ایک بار تقریر میں کالج کے طلبار کو مخاطب کرتے ہوئے مسٹر بالڈون سابق وزیراعظم انگلستان نے کہا تھا:

"آزاد ممالک میں لچھے دار تقریر کرنے والے اشخاص کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھا جانا ضروری ہے، یعنی وہ شخص جو نیم تعلیم یافتہ بھیڑ ہے وہ آزادی کے ہر زمانے میں سب سے بڑا خطرہ ہے۔"

باوجود اس کے ہمیں اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ دورحاضر میں ہندستان نے کئی ایک اچھے خطیب پیدا کئے اور وہ وقت دور نہیں جب کہ یہ خطیب اپنے کمال سے اہل وطن کے نام کو اونچا کریں گے۔

تقریر کے طریقے

عوام میں تقریر کرنے کے تین مختلف طریقے ہیں مثلاً

لکھے ہوئے مضمون کو پڑھنا۔

لکھے ہوئے مضمون کو حفظ کر کے تقریر کی شکل دینا۔

چند نکات کی مدد سے تقریر کرنا۔

اب ہم ذیل میں ہر ایک طریقے کی خوبی وخرابی پر تفصیلی روشنی ڈالیں گے، لیکن ساتھ ہی مقررین، جان برایٹ کے اس مشورے کو پیشِ نظر رکھیں کہ

"تقریر کرنے کے مختلف طریقوں میں سے جس کو جو طریق پسند آئے وہ اس کو اختیار کرے۔"

لکھے ہوئے مضمون کو پڑھنا جو لوگ قلم کے دھنی ہیں وہ عموماً اپنی تقریروں کو لکھ لیا

کرتے ہیں اور اس طرح لکھے ہوئے مسودے کو سُنا دیتے ہیں، اس قسم کی تقریریں ایسی صورت میں موزون و مناسب ہیں جب کہ خطبۂ صدارت یا خطبۂ استقبالیہ دیا جا رہا ہو یا کسی علمی موضوع پر اظہار خیال مقصود ہو، عام تقریروں میں جو عوامی تقریریں کہلاتی ہیں، لکھی ہوئی تقریریں کارگر نہیں ہوتیں، کیوں کہ عوامی تقریروں میں جوش کی ضرورت ہوتی ہے، ایک لکھے ہوئے مضمون کو سُنا کر عوام میں خاطر خواہ جوش پیدا کرنا ممکن نہیں۔

حفظ شدہ تقریریں

جان برائیٹ، حفظ شدہ تقریر کا مخالف تھا۔ وہ کہتا ہے:

"جو لوگ رٹی ہوئی تقریر کرتے ہیں وہ مقرر کے اعلیٰ منصب کے قابل نہیں ہو سکتے۔"

لیکن بقول خود جان برائیٹ:

"تقریر کرنے کے مختلف طریقوں میں سے جس کو جو طریقہ پسند آئے وہ اس کو اختیار کرے۔"

کیوں کہ ہر پھول کا رنگ الگ اور ہر پھول کی بو جُدا۔ جس کو جو طریقہ پسند آئے وہ اس کو روبہ عمل لائے۔

برنارڈ شاہ کہتا ہے کہ

"میں وہی کرتا ہوں جو مجھے آسان نظر آتا ہے۔ ہر شخص کو بھی یہی چاہیئے کہ وہ اسی کام کو کرے جو اس کیلئے آسان ہو۔ لیکن اکثر لوگ ایسا کام کرنا چاہتے ہیں جو مشکل اور ناممکن ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ ناکام رہتے ہیں۔"

آپ کو یہ معلوم کر کے تعجب ہو گا کہ جان برائیٹ کا خیال سرتاپا

غلط ہے۔

مشہور خطیب شریڈن اپنی تقریر کو اس قدر قبل سے حفظ کر لیا کرتا تھا کہ جس شخص کو اس کے حالات سے پوری آگاہی نہ ہو وہ ہرگز اس کی تقریر کو رٹی ہوئی نہیں سمجھ سکتا تھا۔

نامور جادو بیان کینگ کا بھی یہی حال تھا وہ کہا کرتا تھا کہ :-

"دوستو! الہام کا زمانہ گذر گیا، میری جادو بیانی میری یادداشت پر منحصر ہے"

لارڈ مکالے اپنی تقریر کا ہر لفظ یاد کر لیا کرتا تھا ــــــ

روفس اپنے شاگردوں سے کہا کرتا تھا کہ

"اگر یہ چاہتے ہو کہ تقریر شستہ و دلچسپ ہو تو تقریر کو لکھ کر حفظ کر لیا کرو"

الیگزنڈر ہملیٹس (جو ایک نامور وکیل تھا) اپنی بحث کو لکھ کر حفظ کر لیا کرتا تھا۔

لیکن عام طور پر نومشق مقررین کی حفظ شدہ تقریریں جگ ہنسائی کا موجب ثابت ہوتی ہیں۔

حفظ شدہ تقریر میں طرز بیان، تلفظ اور رفتار کا بطورِ خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔

نومشق مقرر جب (حفظ شدہ) تقریر کرتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے نوعمر بچہ رٹی ہوئی نظم پڑھ رہا ہو... یا کسی تحتانوی جماعت کا بچہ پہاڑے پڑھ رہا ہے۔

ایسی تقریریں عوام پر گراں گذرتی ہیں جس کا نتیجہ عوام کی بے توجہی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور اس طرح یہ امر نومشق مقررین کی ہمت شکنی کا باعث بن جاتا ہے۔

لہذا مقررین کو چاہیئے کہ وہ سامعین کو یہ محسوس نہ ہونے دیں کہ ان کی تقریر حفظ شدہ ہے۔

اگر دورانِ تقریر میں، تقریر کا کوئی جز حافظے سے محو ہو جائے تو ایسی صورت میں بجائے شرمندہ خاطر ہونے کے اپنے آپ پر بھروسہ کیجیے، اگر دورانِ تقریر میں آپ رک جائیں اور پھر تقریر شروع کرنا ہو تو درمیانی وقفے کو کسی مناسب جملے سے پُر کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً میں آپ سے عرض کر رہا تھا، اب میں آپ کی توجہ اپنی تقریر کے جزو دوم کی جانب مبذول کراؤں گا، وغیرہ۔

تقریر کو حفظ کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اس کے کئی حصے کر لئے جائیں اور ہر ایک حصے کو علیٰحدہ علیٰحدہ حفظ کیا جائے۔

آخر میں ہم ڈاکٹر بلیر کے مشورے کو جوں کا توں نقل کرتے ہیں جو حفظ شدہ تقریر کرنے والوں کے لئے شمعِ راہ ہے۔

"پہلے اپنی تقریر کو لکھو، پھر اس پر نظر ثانی کرو اسے مختصر کرنے کی کوشش کرو، اس کے بعد اس کو اتنی مرتبہ پڑھو کہ خاص خاص حصے اچھی طرح یاد ہو جائیں اور کل تقریر کے اہم نکتے اس طرح ذہن میں محفوظ ہو جائیں کہ حافظے سے ان کے محو ہونے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔

اس کے بعد یا تو ایک خیالی مجمع کے سامنے تقریر کرو یا کسی صاحب نظر دوست یا صاحب فن کو اپنی تقریر سناؤ۔"

یادداشت کی مدد سے

مسٹر برایٹ سے کسی طالب علم نے سوال کیا کہ لکھا ہوا پڑھنا، رٹ کر

تقریر کرنا اور یاد داشت کی مدد سے تقریر کرنا، ان طریقوں میں سے کونسا بہتر اور عمدہ ہے؟۔

برائیٹ نے جواباً کہا:

" مجھ کو اپنی تقریر لکھنے کی عادت نہیں، لکھنے کی عادت بہت زبوں ہے اور حفظ کرنے کی محنت ناقابلِ برداشت، یہ کافی ہے کہ مضمون زیرِ تقریر پر غور کیا جائے اور مختصر یاد داشت لکھ لی جائے۔"

کسی عام جلسے میں تقریر سے پہلے مقرر کو چاہیئے کہ موضوعِ تقریر پر غور کرے جو نکات ذہن میں آئیں انہیں سپردِ قلم کیا جائے۔

بوسوٹ کو جس روز لکچر دینا ہوتا وہ اس سے ایک دن پیشتر دلائل کو نوٹ کر لیا کرتا اور دل ہی دل میں کئی بار دہراتا۔

پینگٹ چند پرجوش فقرے قبل از قبل تیار کرتا اور دورانِ تقریر میں ان کا استعمال کیا کرتا تھا۔

خاص خاص نکات کو بطور یاد داشت محفوظ کرنے کے علاوہ بعض مقرر مثالیں، پرجوش فقرے وغیرہ بھی قبل از قبل ذہن نشین کرکے بطور یاد داشت سپردِ قلم کر لیتے ہیں اور دورانِ تقریر میں اس سے مدد لیتے ہیں۔

اپنی تقریر کی تیاری کے لئے ہمیں بڑا ہی اہتمام کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ ہماری بیشتر تقاریر ہماری اپنی بے توجہی کا شکار بن جاتی ہیں۔

پروفیسر ہارٹے کہتا ہے کہ

" اپنی ابتدائی تقریروں کے سلسلے میں تقریر کے طالب علم کو زیادہ سے زیادہ تیاری کرنی چاہیئے اور اپنے دلائل کی ترتیب پہلے سے قائم کر لینی چاہیئے، ساتھ ہی تقریر کے خاص خاص حصے

خاص کر افتتاحی و اختتامی حصے لکھ لینا چاہیئے ۔"

مشہور خطیب و صاحب قلم ادیب باٹیس، یاد داشت کی مدد سے تقریر کرنے والوں کو مشورہ دیتے ہوئے کہتا ہے کہ

"تحریر گویا کہ سان کا پتھر ہے یا یوں سمجھو کہ وہ ایسی مشین ہے جس کے دباؤ سے خیالات میں پھیلاؤ اور وسعت پیدا ہوتی ہے اس سے اگر تمہارے پاس تیاری کا وقت ہے تو اپنی تقریر میں جو کچھ کہنا چاہتے ہو اس کی ترتیب کا نقشہ پہلے سے کاغذ پر ضرور قایم کر لو، اس طرح اپنے موضوع پر زیادہ اچھی طرح قابو حاصل کر لوگے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ زیادہ جامعیت کے ساتھ تقریر کر سکو گے اور موضوع سے اِدھر اُدھر بھٹکنے کا خطرہ بہت کم ہو جائے گا ۔"

مشق کے طریقے

امریکہ کا مشہور ماہر نفسیات و معلم تقریر (ڈیل کارنیگی) ... . جو متعدد بار اپنی تقریروں میں ناکام و پشیمان رہا ۔ مگر دلجوئی و محنت سے مشق کے باعث ... وہ اوروں کو سلیقۂ تقریر سے آراستہ کرتا رہا ۔

چارلس فاکس نے جو اٹھارویں صدی میں ناموری حاصل کی وہ محتاج بیان نہیں ۔ انیسویں صدی کا مشہور خطیب ڈین کروان گذرا ہے ڈیماسھتینز، سسرو، ڈسرائیلی، ہورسٹنٹس اور دیگر کئی نامور خطیب پیہم و طویل مشق کے ذریعہ نامور خطیب بن سکے ۔

خود چارلس فاکس نے اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہا تھا کہ

"میرا مستقل ارادہ تھا کہ بلا ناغہ ہر شب تقریر کرنا چاہئے خواہ اچھی تقریر کرنے میں کامیاب ہو سکیں یا نہ ہو سکیں، یہی جذبہ میری ترقی میں ممد و معاون ثابت ہوا۔"

ہر مبتدی جب وہ پہلی دفعہ (یا اپنی تقریر کے ابتدائی دور میں جو اس کی نومشقی کا زمانہ ہوتا ہے) مجمع کے سامنے بغرضِ تقریر کھڑا ہوتا ہے تو وہ گھبراہٹ محسوس کرتا ہے، دل دھڑکنے لگتا ہے دل و دماغ زبان کا ساتھ نہیں دیتے، بے چارگی و پریشانی میں رُک رُک جاتا ہے۔ بیشتر مقررین ایسے حالات میں ناامید ہو جاتے ہیں، لیکن نومشق خطیبوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ ڈزرائیلی جب پہلی بار برطانوی پارلیمان میں تقریر کے لئے کھڑا ہوا تو اراکین نے اس کا مذاق اڑایا۔ مگر وہ اس سے ہراساں نہ ہوا، بلکہ اس نے خود اعتمادی سے جواب دیا:

"وہ وقت آئے گا جب تم لوگ میری تقریر سنو گے۔"

آخر وہ وقت آیا۔ ڈزرائیلی انگلستان کا وزیرِ اعظم بنا اور ایک نامور خطیب کی حیثیت سے اس کی خطابت کی ستائش زبان زدِ خاص و عام ہوئی۔

لارڈ ڈبیکیفلڈ انگلستان کا نامور مدبر و خطیب گذرا ہے پہلے پہل جب پارلیمنٹ میں تقریر کے لئے کھڑا ہوا تو سلیقہ سے چار باتیں بھی نہ بیان کر سکا۔

انگلستان کا مشہور واعظ رابرٹ ہال اپنی طالب علمی کے زمانے میں جب وعظ کیلئے منبر پر آیا تو بدحواسی کے عالم میں اپنا منہ ڈھانکتے ہوتے کہنے لگا:— "میں بدحواس ہو گیا ہوں۔"

حضرت عثمانؓ جب پہلے پہل تقریر کے لئے منبر پر تشریف لائے

تو منھ سے ایک لفظ نہ نکلا، آپ معذرت کر کے اتر گئے۔

ان خطبار کی پیہم ناکامیاں اور بعد ازاں اس کی ناموری کا راز صرف تین حروف پر مشتمل ایک لفظ میں پوشیدہ ہے، یعنی مشق ...... محنت دراصل طبع انسانی کا خلاصہ ہے، لہذا ہمیں دلجوئی سے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے کے لئے مسلسل مشق کرنا چاہیے۔

اب ہم ذیل میں مشق کے مختلف طریقوں سے متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالیں گے۔

تقریر کی مشق کا ایک آسان طریقہ یہ ہے کہ چند احباب کی ایک صحبت قائم کی جائے اور اس میں ہر ہفتہ کسی موضوع پر تقریر ہوا کرے اور بہتر ہے اس جلسے میں کسی مبصر کو بھی شریک رکھا جائے تاکہ وہ ہر مقرر کی خامی اور کمزوری کو ظاہر کر سکے۔

اس قسم کی انجمنیں آج کل کافی تعداد میں موجود ہیں، نو مشق مقررین کو چاہئے کہ وہ ان انجمنوں کے ممبر بن جائیں اور اس طرح اپنی مشق کے ذریعہ اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کریں۔

مشق کے کچھ اور طریقے بھی ہیں مثلاً

(۱) اپنے دل سے چپ چاپ کسی معینہ موضوع پر گفتگو کرنا یعنی کسی عنوان کو منتخب کر کے دل ہی دل میں اس موضوع پر اظہار خیال کرنا۔

(۲) کسی کتاب سے کچھ صفحات کا مطالعہ کر کے اس کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کرنا، اس مشق کی ابتدا اس طرح کی جائے کہ پہلے تھوڑی عبارت کو بغرض مشق اختیار کیا جائے پھر رفتہ رفتہ پوری فصل اور پھر پورے باب کو۔

(۳) کوئنٹیلس نے ایک اور قاعدہ بیان کیا ہے وہ یہ کہ کسی فصیح شاعر کے کلام کو پڑھ کر اس کو نثر میں ادا کیا جائے اور اپنے خیالات کے اضافے کے ساتھ اس کو تقریر کی صورت میں پیش کیا جائے۔

(۴) تقریر کی مشق کے لئے ایک اور طریقہ یہ ہے کہ تقریر کو حسب ذیل طریقے پر تقسیم کیا جائے:-

۱۔ تمہید۔ ۲۔ دعویٰ۔ ۳۔ (دعوے کے ثبوت میں) دلائل۔ ۴۔ (دلائل کی روشنی میں نتیجہ۔

(۵) نامور خطیبوں کی تقریر سننا۔ نامور خطیبوں کی تقریر کے دوران میں حسب ذیل باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے:

۱۔ تمہید کس طرح باندھی گئی۔ ۲۔ اصلی منشا کی طرف کس طرح رُخ کیا گیا۔ ۳۔ برمحل شعر و قصص سے کس طرح دلچسپی بڑھائی گئی۔ ۴۔ مقرر کس انداز سے سامنے آیا، دورانِ تقریر میں اس کا اسٹائل کیا تھا۔ ۵۔ اس وقت جب کہ کسی خاص مسئلہ کی جانب عوام کی توجہ مبذول کرنا تھا اس وقت مقرر کا کیا رویہ تھا۔

اس وقت جب کہ مقرر سامعین سے اپیل کر رہا ہو یا ان کے دلوں میں گرمی پیدا کر رہا ہو یا ان کو کسی مفید مقصد خیال کے لئے اُبھار رہا ہو، ایسے وقت خود اس کے چہرے اور اس کے ایکشن کی نوعیت پر غور کرنا چاہئے۔ ان اصولوں کی پابندی ایک نومشق خطیب کے لئے اس کی اپنی خطیبانہ خصوصیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری ہے۔

فنِ تقریر ریاضت چاہتا ہے

یونائیڈ اسٹیٹ کی ایک بہت بڑی ربر کمپنی کے ڈائرکٹر ربورڈ کے صدر نے مجھ سے (ڈینل کارنیگی) ذاتی تجربہ کی بنار پر کہا تھا کہ

"جس شخص کو اپنے کام سے دلچسپی نہ ہو وہ کسی قسم کی مصروفیت میں کامیاب نہیں ہو سکتا"

دنیا میں وہی لوگ کامیاب زندگی بسر کرتے ہیں جنہیں اپنے مقصد سے محبت ہوتی ہے، جنہیں اپنے مقصد سے محبت ہوتی ہے وہ بذریعہ محنت اپنے مقصد کے حصول میں کامیابی کی جدوجہد کرتے ہیں۔

سر جوسا رینالڈز۔ اپنے زمانے کے نامور مصوروں میں سے ایک تھا اس سے پوچھا گیا:۔

"آپ نے یہ کمال کیوں کر حاصل کیا؟"

رینالڈز نے جواباً کہا:

"صرف ایک اصول برت کر، وہ یہ کہ میں نے جو تصویر بھی بنائی اس میں اتنی محنت کی گویا وہی میری آخری شاہکار تھی"

سکندر کے باپ فلپ دوم کی تلوار سے یونان کو بچانے والا شہرہ آفاق خطیب ڈیماسٹھینز کی شہرت کا راز اس کی ان تھک مساعی کا نتیجہ ہے۔

کمزور آواز، بھدے ایکشن، غیر موزوں طرز بیان اور لکنت ——— ان خامیوں پر ڈیماسٹھینز نے کیسے قابو پایا۔

اس نے ہمت نہ ہاری باوجود اس کے کہ وہ ابتدا میں ایک ناکام مقرر ثابت ہوا، اس نے سادگی سے اپنے نقص معلوم کرنے کی سعی کی، اور پھر اصلاح کی جانب اپنی توجہ مبذول کی، اس نے اپنی ہر حرکت کی درستی کے لئے ایک طریقہ مقرر کیا مثلاً:۔

اپنی لکنت اور سانس کی خرابی کو دور کرنے کے لئے منہ میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں بھر کر بغیر رکے باقاعدہ تسلسل کے ساتھ لمبی لمبی نظمیں پڑھتا۔

بغرض مشق کبھی سمندر کی پر شور موجوں کو مخاطب کرتا اور کبھی پرسکون پہاڑیوں پر کھڑا، اپنے مقصد کے حصول کی جدوجہد کرتا دکھائی دیتا۔

اس میں ایک اور نقص بھی تھا۔ وہ اپنے کندھوں کو اُچکایا کرتا تھا، اس نے یہ صبر آزما ترکیب اختیار کی کہ ایک بہت تنگ کھڑے میں کھڑے ہو کر (جس میں اِدھر اُدھر ہونے کی گنجائش نہ تھی) تقریر کرنے لگا، اور چھت پر نیزوں کی شکل کے دو ہتھیار لٹکائے جو اس کے کندھوں کو اچکتے ہی زخمی کر دیتے تھے۔

اس کام کی انجام دہی کے لئے وہ ہر روز سویرے اٹھتا اگر قصبہ بھر میں کوئی ایک مزدور بھی اس سے پہلے کام پر چلا جاتا تو اسے نہایت افسوس ہوتا۔ ان باتوں کے علاوہ اس کی غیر معمولی کوششوں کا اندازہ اس حقیقت سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے ایک پسندیدہ مصنف کی تمام تصانیف کو اپنے ہاتھ سے آٹھ مرتبہ نقل کیا تاکہ اس کا دماغ اس مصنف کے طرز ادا (طرز بیان) کا عادی ہو جائے۔

کوئی وجہ نہ تھی کہ اتنی زبردست محنت رایگاں جاتی۔ اتنی سخت محنت کو برداشت کرنے کا نتیجہ تھا کہ وہ نہ صرف یونان بلکہ دنیا کے لاثانی خطبا میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔

بقول ڈاکٹر بلیر:

"مسلسل اور سخت کام کے بغیر کسی چیز میں فضیلت حاصل

کرنا ناممکن ہے۔ چند سالوں تک تیاری اور مطالعہ کرنے اور چھوڑ دینے سے بزرگی و فضیلت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسے حاصل کرنے کے لئے باقاعدہ محنت کرنا اور اس کا عادی بننا اور ہر ایک محنت طلب موقعہ پر اپنے آپ کو اس کیلئے تیار رکھنا دانشمندانہ قانون ہے، کوئی چیز اعلیٰ نتائج اور حقیقی مسرت کی ایسی دشمن نہیں جیسے کہ دل کی سست حساسیت جو کاہلی سے پیدا ہوتی ہے۔

اسکاٹ لینڈ میں انتخابات کے زمانے میں پورا دن مسٹر چرچل اپنے کمرے میں بند بہ آواز بلند اپنی تقریر کی مشق کرتے رہے، اس تقریر نے مسٹر چرچل کی شہرت کو چار چاند لگائے۔۔

بقول ٹوین:

تقریر کو اس طرح جاننا چاہیئے جس طرح عبارت کو۔ کبھی آپ نے شہد کی مکھی کا بغور مطالعہ کیا ہے ——— اگر نہیں تو سنیئے ——
جب وہ شہد کی تلاش میں پھرتی ہے تو اپنے ننھے ننھے پروں کو ایک سکنڈ میں تین سو باون مرتبہ حرکت دیتی ہے اور شہد حاصل کرتے وقت اس کے پروں کے پھڑپھڑانے کا اوسط چار سو چالیس مرتبہ فی سکنڈ ہوتا ہے۔

جب ایک معمولی مکھی اپنے مقصد کیلئے اتنی جدوجہد کرتی ہے تو انسان (جو اشرف المخلوقات ہے) کو اپنے مقصد کیلئے کتنی جدوجہد کرنی چاہیئے؟۔

شریڈن کی اس معرکۃ الآراء تقریر کے متعلق جو انہوں نے اودھ کے متعلق لارڈ ہسٹنگ کے خلاف کی تھی۔ میکالے کا خیال ہے کہ وہ انسانی یادداشت میں بہترین تقریر تھی، دو دن تک شریڈن کی تقریر سننے کو اس قدر لوگ آتے رہے کہ تل دھرنے کو جگہ نہ تھی، حتیٰ کہ ایک داخلہ ٹکٹ پچاس گنی پر خریدا گیا اور حق تصنیف محفوظ کرانے کے لئے ایک دن میں ایک ہزار پونڈ پیش کئے گئے۔

یہ معنی خیز اور اثر انگیز تقریر آسانی سے نہیں کی گئی بلکہ شریڈن ہر اس شخص کے پاس گیا جس سے ہندوستان اور ہسٹنگ کے متعلق (تھوڑا ہی سہی) مواد ملنے کی امید ہو سکتی تھی، اس طرح اس تقریر کی تیاری کے لئے (ایک ماہ سے زیادہ) مسلسل جدوجہد و محنت برداشت کرنی پڑی۔

آپ نے جے گولڈ کا نام سنا ہو گا ——— یہ نوجوان یورپ کا ٹینس چمپین رہا ہے۔

ایک اخبار کے نمائندے نے دوران ملاقات میں اس سے اس کی کامیابی کا راز دریافت کیا۔

جے گولڈ نے جواباً کہا:

"کھیلتے وقت میری ساری توجہ صرف اس ہاتھ پر ہوتی ہے جس سے میں کھیلنے والا ہوتا ہوں۔ اس وقت میری دماغی نظریں سوائے اس ہاتھ کے کچھ دیکھنے نہیں پاتیں۔

بقول شخصے درحقیقت یہ ایک بہت بڑا راز ہے اور ٹینس ہی کیلئے نہیں بلکہ دنیا کے ہر کھیل اور ہر کام اور ہر مرحلہ کیلئے یقینی کامیابی کا ضامن ہے "کامل توجہ" کامیابی کا دوسرا نام ہے، مسلسل جدوجہد کسی کام سے بس لپٹ جانا، بالکل اسی کا ہو رہنا یہی کامیابی کی بنیادیں ہیں۔

ڈاک کے ٹکٹ پر ایک نظر ڈالئے، دیکھئے اپنا کام انجام دینے کی خاطر کس طرح خط سے چمٹ جاتا ہے، پھر چاہے اسے دلی سے لندن تک بھیجدیں، کیا مجال جو ذرا علیحدہ ہو جائے، کاغذ کے اس حقیر سے ٹکڑے کی مثال اپنے سامنے رکھئے اور جب کبھی آپ کسی اہم کام سے اکتانے لگیں تو ٹکٹ کا دھیان کیجئے۔

بلکہ ایک ٹکٹ اپنی میز یا کام کی جگہ پر چسپاں کر دیجئے تاکہ وہ مقصد کی اہمیت کو اُجاگر کرتا رہے۔

مقرر اور صحتِ جسمانی

ایک ماہر اقتصادیات کہتا ہے:۔
"جو شخص دنیا میں اعلیٰ مقاصد کے حصول کا متمنی ہے اُسے اپنی ذات سے اچھا سلوک کرنے کا ڈھنگ سیکھنا چاہیے"۔

چوں کہ مقرر بھی ایک اعلیٰ مقصد کے حصول کا متمنی ہوتا ہے اس لئے اس کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنی صحت پر کلیتہً توجہ دے تاکہ مقصدِ اعلیٰ کا حصول آسان ہو جائے، بقول پروفیسر سلیم:

"عقلی اور دماغی قوتوں سے صحیح طور پر کام لینا بھی اس بات پر موقوف ہے کہ انسان کا جسم تندرست اور توانا ہو، جن لوگوں کے جسم توانا اور تندرست نہیں ہیں ان کی تمام قوتیں آہستہ آہستہ دھیمی پڑ جاتی ہیں اور عقلی اور دماغی قوتوں کی چمک دمک باقی نہیں رہتی۔ شگفتگی اور زندہ دلی اسی جسم میں رہ سکتی ہے جو تندرست ہو اور چستی و ہوشیاری اسی بدن میں ہو سکتی ہے جس میں خون اپنی قدرتی رفتار پر گردش کر رہا ہو۔"

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جسمانی اور دماغی نشو و نما کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ کیوں کہ صحت کے بغیر حصولِ مقصد میں کامیابی کا خیال اس چراغ سے روشنی حاصل کرنے کے مترادف ہوگا جس میں تیل نہ ہو۔

باب دوم

مؤثر تقریر

تقریر کی اثر پذیری کا انحصار دو باتوں پر منحصر ہے، ان میں بعض داخلی ہیں جن کا تعلق مقرر کی نفس سے ہے اور بعض خارجی جن کے التزام سے تقریر میں دلچسپی اور اثر پیدا کیا جا سکتا ہے۔

تقریر کے تین ضروری اجزاء ہیں:-

۱- اندازِ بیان۔ ۲- ربط و تسلسل۔ ۳- مواد۔

پہلے ہم ذیل میں ان تینوں اجزار سے متعلق ضروری باتیں بتائیں گے، کیوں کہ اثر پذیری میں ان کا بھی کافی دخل ہے، بعد ازاں اثر پذیری سے متعلقہ مسائل پر روشنی ڈالی جائے گی:-

اندازِ بیان

دیماسھتینز سے سوال کیا گیا فصیح البیانی کا پہلا اصول کیا ہے؟ اس نے جواباً کہا: "خطیبانہ طرزِ بیان"

اظہارِ خیال کے مختلف طریقے اور انداز ہیں، جذبات و خیالات سب ہی کے دل و دماغ میں نشو و نما پاتے ہیں اور سب ہی اپنے جذبات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں لیکن: ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

کے مصداق ہر ایک کا انداز بیان جدا ہوتا ہے۔ مثلاً

مولٰنا ابوالکلام کا طرز بیان، نواب بہادر یار جنگ کے انداز بیان سے کافی مختلف ہے، اسی طرح عنایت اللہ خاں المشرقی (بانی خاکسار تحریک) کے طرز خطابت کا رنگ ان سب سے الگ اور جداگانہ ہے۔

ذیل میں ہندوستان کے چند مشہور خطباء کی تقریروں کے نمونے پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ انداز بیان کا ایک موہوم سا خاکہ ذہن نشیں ہو جائے۔

مولٰنا ابوالکلام آزاد

مولٰنا ابوالکلام آزاد کی تقریر کلکتہ میدان کے اجتماع عظیم میں:

"پہلے میری آواز اس میدان میں ایک محدود حلقہ تک پہنچتی تھی۔ گذشتہ چند سالوں سے پورے میدان میں انجمن کی مساعی اور سائنس کی ایک مفید ایجاد کی امداد سے پہنچنے لگی۔ لیکن اس مرتبہ جیسا کہ مجھے یقین دلایا گیا ہے، میری آواز ہندوستان کے گوشہ گوشہ تک پہنچ رہی ہے بلکہ اس مرتبہ مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا گیا ہے کہ ہمالیہ کی چوٹیاں، سمندر کی موجیں اور صحرائے عرب کے بگولے بھی میری آواز روک نہیں رہے ہیں۔ بمبئی کلکتہ سے تیرہ سو میل کے فاصلے پر ہے، پشاور پندرہ سو میل ہے لیکن میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تمہارے کانوں سے تمہارے دل کی دنیا کتنی دور ہے؟ میری آواز تمہارے کانوں کے پردے سے ٹکرا کر رہ جاتی ہے اور دل کوئی اثر قبول نہیں کرتا وہ دل جس پر تم نے قفل چڑھائے ہیں حالانکہ میرے مخاطب تمہارے کان نہیں بلکہ تمہارے دل ہیں۔"

پنڈت جواہر لعل نہرو

۲۶ر دسمبر ۱۹۴۸ء کو پنڈت جواہر لعل نہرو کو جامعہ عثمانیہ کی

جانب سے ایل ایل، ڈی کی اعزازی ڈگری دی گئی جس کے جواب میں کی ہوئی تقریر کا ایک جز ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے :-

"طالب علم اور نوجوان سب کے سب ماضی کے بچے ہیں اور یہ ماضی خواہ اچھا ہو یا بُرا، بہر حال ان کا ورثہ ہے لہذا انہیں اپنی منصوبہ بندی میں ماضی کے واقعات کا اس وقت کے حالات کی روشنی میں جائزہ لینا ہے، حال کی سونچنا اور مستقبل کے رجحانات کا اندازہ لگا کر ایک مستحکم بنیاد پر آئندہ کے خاکے بنانا چاہئے جو کامیابی کی ضمانت دے سکیں ——— موقتی جذبات میں نہ بہہ جایا کیجئے بلکہ جب کبھی وقت ملے اطمینان کے ساتھ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کیجئے، تعلیم کے معنی یہ ہیں کہ انسان اعتماد کلی کے ساتھ آزادانہ طور پر اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل کے قابل بن جائے، اس چیز کو نوجوان خاص طور پر اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھیں، انہیں کبھی بھی محض جذبات کے نذر نہ ہو جانا چاہیئے"

عنایت اللہ خاں المشرقی

خطاب جامع مسجد لاہور :-

مسلمانو! غیر مسلم بھائیو اور خاکسار سپاہیو!!

ایک سال چار ماہ کی مدت کے بعد میں پھر ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک غلامی میں ماری ہوئی، خوف سے دبکی ہوئی، بھوک اور دکھ سے بے ہوش، مایوسی اور شکست سے چور اور بستر مرگ پر پڑی ہوئی قوم کو آسرا دے کر پھر اٹھاؤں اور دوا کا نیا ڈوز دوں۔ مجھے تسلی ہو رہی ہے کہ مسلمان بلکہ غیر مسلمان میری دی ہوئی کڑوی دوائیاں منھ بنا بنا کر جھنجھلا جھنجھلا کر بلکہ گالیاں دے دے کر بالآخر پی رہے ہیں۔ بیماری میں اپنی بات رکھنے

اور حکیم کو برا کہنے کی آن دکھلانے کے باوجود سمجھ رہے ہیں کہ دوائیاں کڑوی اور بیماریاں لمبی ہی ہوا کرتی ہیں"۔

نواب بہادر یار جنگ ۲۲ر جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کے سالانہ جلسۂ اتحاد المسلمین میں لسان الامت نواب بہادر یار جنگ کی تقریر:۔

"ساری تعریف اس خدائے قدیر و قیوم کو سزاوار ہے جس کا تخت عظمت و جلال ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا اور جس کی بارگاہ عزو وقار میں صرف ان افراد اور قوموں نے جگہ پائی جنہوں نے نتائج اعمال کا یقین رکھا اور عمل صالح کو شعار بنایا۔ اور جس کے آستانۂ مقدس سے وہ دھتکار دیئے گئے جو کچھ نہ کر کے سب کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جس کی قرب و نزدیکی کا مقام صرف انہیں کو نصیب ہوا جنہوں نے اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دیا اور اس کی مسند الوہیت سے خلعت و دوستی کا مرتبہ ان ہی کو عطا ہوا جنہوں نے اس کے لئے اپنے لخت جگر اور خون دل تک کی پرواہ نہ کی۔ درود و سلام اس افضل الرسلؐ سید الانبیاء پر جس نے ہم مسلمانوں کے لئے سنت ابراہیمؑ کو ایک مستقل وظیفۂ حیات قرار دیا اور دین حنیف کو زندگی دوام عطا کی"۔

ان مختلف نمونوں سے ہربرٹ ایلس کے خیال کی تصدیق ہوتی ہے کہ:۔

"جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے بیان کیا جا سکتا ہے لیکن ضرورت ایسے آدمی کی ہے جو اس کو بیان کرنا جانتا ہے"۔

طرز بیان کے تعلق سے یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ دوسروں

کے طرزِ بیان کی اندھی نقل نقصان رساں ہے، برطانیہ کے مشہور اخبار پال مال گزٹ لکھتا ہے :

"یہ تو جذبات ہیں کہ کوئی صاحبِ فن کسی عظیم الشان ماہرِ فن سے مشابہت و مماثلت رکھتا ہو لیکن یہ دوسری بات ہے کہ کوئی صاحبِ فن کسی دوسرے بڑے صاحبِ فن کا چربہ اُتارنے لگے"۔

جس طرح ہر پھول کا رنگ الگ اور بُو جدا ہوتی ہے اسی طرح ہر مقرر کا طرزِ بیان بھی جداگانہ ہوتا ہے، نامور مقررین کے انداز بیان کی اندھی تقلید ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ طرزِ بیان کا تعلق موضوعِ تقریر سے ہے۔ مذہبی تقریر اور ادبی تقریر میں طرزِ بیان کا بدل جانا، موضوع کی نوعیت کا تقاضہ ہے۔

بقول مولانا شبلی :-

"اردو تقریر میں اصل مضمون کی خوبی سے زیادہ طرزِ ادا کی خوبی کا لحاظ ہونا چاہیے"۔

اسی خیال کو ٹینی سن نے یوں ادا کیا ہے :-

"قابلِ توجہ یہ بات نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں بلکہ یہ کہ ہم کس طرح کہہ رہے ہیں"۔

ربط و تسلسل

ربط و تسلسل سے تقریر میں خوبی پیدا ہوتی اور اثر میں اضافہ ہوتا ہے۔ مقرر کا مدعا ایک مرکز کی حیثیت رکھتا ہے اور اس طرح .... دلائل کو اُس کے گرد گھمایا جاتا ہے، عموماً دلائل تو پیش کئے جاتے ہیں مگر ان کا موضوع زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اسی طرح دعوی و الفاظ بھی موضوع سے کوسوں دور ہوتے ہیں۔

بعض ایسے مقرر بھی دیکھے گئے ہیں کہ بلحاظ مواد و زبان تو تقریر مناسب و موزون لیکن ربط و تسلسل کا نام نہیں، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ دوران تقریر میں مقرر، چھوٹی چھوٹی باتوں کی طرف کلیۃً متوجہ ہو جاتے ہیں اور پھر جوں ہی اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے وہ پھر سے قابل تذکرہ نقاط کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ربط و تسلسل باقی نہیں رہتا اگرچہ الفاظ کی شان بڑی حد تک اس عیب کو چھپا لیتی ہے، پھر بھی تعلیم یافتہ طبقے سے یہ نقص پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔

تقریر کی ترتیب بالکل غیر پیچیدہ اور صاف ہونی چاہیئے جس پر فرلانگ اور میلوں کے پتھر نصب ہوں تاکہ ہر وقت یہ معلوم ہو سکے کہ منزل ابھی کتنی دور ہے۔

تقریر بھی ہماری طرح جسم اور روح رکھتی ہے، جسم الفاظ ہیں اور روح معانی و مطالب۔ اس طرح زنجیر و تقریر کی ایک حالت ہے جس طرح زنجیر کے ایک حلقہ کا اپنے دوسرے حلقے سے جدا ہو جانا، گویا زنجیر سے جدا ہو جانا ہے اسی طرح تقریر کا کوئی حصہ اگر دوسرے حصے سے جدا

ہو جائے تو وہ بے ربط اور بے اثر ہو جاتا ہے۔

مشہور فلسفی لاک پیچیدہ خیالات کے اظہار پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

"پیچیدہ خیالات کی تفہیم کے لئے استغرائی طریقہ کو کام میں لانا چاہیئے اور اسی طرح اکتساب درجہ بہ درجہ ہو یعنی تدریجی طور پر آسان سے مشکل کی جانب قدم بڑھائے جائیں۔"

اچھے مقرر کی مثال اس ماہی گیر جیسی ہے جو دریا میں جال کو خوب پھیلا کر بڑی جگہ کو گھیرتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ اس کے تمام گوشوں کو کھینچکر ایک مرکز پر جمع کر لیتا ہے۔

اسی طرح مقرر کو بھی اپنی تقریر میں ربط و تسلسل کا خیال رکھتے ہوئے اپنے دعوے کے ثبوت میں بہت سی مختلف باتیں بیان کر کے پھر ان سب کو ایک مرکز پر لانا چاہیئے۔ اگر دلنشیں الفاظ، خوبصورت ترکیب اور عمدہ طرز بیاں کے ذریعہ وہ (مقرر) اس کوشش میں کامیاب ہو گیا تو تمام مجمع اس کے اس جال میں پھنس کر رہ جاتا ہے۔

مواد

جدوجہد میں کامیابی اس میکانیکی اصول پر مبنی ہے کہ:۔

"ایک نکتہ پر ممکنہ قوت صرف کی جائے۔"

کامیاب مقرر اپنے مواد کو اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ اس کا ہر حصہ دوسرے حصہ کا جزو لاینفک ہوتا ہے۔

یہ کہنا کہ فلاں عنوان پر کامیاب تقریر کی جا سکتی ہے اور فلاں پر نہیں بالکل غلط ہے۔

وکٹر ہیوگو نے شاعری کے متعلق کہا تھا کہ:

"شاعری کے لئے کوئی مضمون اچھا اور کوئی برا نہیں ہوتا بلکہ اچھے اور
بُرے شاعر ہوتے ہیں"
یہی خیال کلیتہً مقرر پر بھی صادق آتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقرر کے
لئے کوئی موضوع اچھا اور کوئی برا نہیں بلکہ اچھے اور برے مقرر ہوتے ہیں.
ان کے اچھے اور بُرے ہونے کا مدار جہاں اور باتوں پر ہے وہیں مواد کی
اہمیت بھی قابلِ لحاظ ہے، حصول مواد کے عام طور پر یہی ذریعے ہیں :۔
غور و فکر (قوتِ متخیلہ و مشاہدہ) مباحثہ، کتب بینی۔

غور و فکر

اچھے مقرر اپنی فرصت کے لمحات میں دماغ کی سرزمین میں فکر کے
بیج بوتے اور ضرورت کے لئے قبل از قبل لہلہتے کھیت تیار کر لیتے ہیں۔
جب کبھی دماغ میں کوئی خیال آئے اس کو کسی نہ کسی سرخی کے تحت فوراً
یادداشت کر لینا چاہیئے کیونکہ کہیں کوئی اچھا نکتہ ہماری بیجا غفلت
کے باعث حافظے سے محو نہ ہو جائے۔

مشاہدہ

خارجی خصوصیات میں مشاہدہ سنگ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے
جب تک مقرر کا قوتِ مشاہدہ قوی نہ ہو وہ سامعین کے جذبات کے اکسانے
اور حقائق کا علم کروانے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مشاہدہ میں مقرر کی
کامیابی اور برتری کا راز پوشیدہ ہے۔ سرسیّد نے مشاہدے کی بدولت
اپنی تقریر میں جس قدر زور پیدا کیا اس کو ان کے مطالعہ نے اور تقویت
پہنچائی۔
مکان کی تعمیر سے قبل مکان کے نقشے کی تیاری ضروری ہوتی ہے

اور اسی طرح نقشے کی تیاری سے قبل ذہنی خاکہ تیار کیا جاتا ہے، بعد ازاں سامانِ تعمیر کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ مشاہدہ ذہنی خاکہ ہے، غور و فکر اور قوت متخیلہ نقشہ اور سامان تعمیر مقرر کا مطالعہ ہوتا ہے۔

قوتِ متخیلہ

قوتِ متخیلہ سے مراد وہ باطنی قوت ہے جو دل کی مدد سے اندر ہی اندر ادھیڑ پن میں مصروف رہتی ہے اس طرح ذکاوت تجربہ کی آبیاری سے نشو و نما پاکر پھلتے ہوئے کھیت کی شکل اختیار کرتی ہے۔

قوت متخیلہ کی موجودگی میں خیالات خود بخود الفاظ کا جامہ پہن کر عمدہ و دلنشیں جملوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ زمین کو جتنا گہرا کھودا جائیگا اسی قدر بیج کی پرورش عمدہ اور نتیجہ ثمر آور ہوگا، اسی طرح مقرر جتنی سوچ بچار (مسائل پر) کرتا رہے گا اتنے ہی سربستہ راز اس کے ہاتھ لگیں گے، سمندر کی تہ میں موتی ہوتا ہے اور اس موتی کو وہی پاتے ہیں جو غوطہ زن ہوتے ہیں۔

اسی طرح وہی بہتر سے بہتر خیال کو اور عمدہ سے عمدہ تخیل کو قوتِ فکر سے حاصل کرسکتے ہیں جو سوچنے والا دماغ رکھتے ہیں ؎

دریا میں موتی اے موج بے باک
ساحل کا سوغات خار وخس و خاک

بحث مباحثہ

تبادلہ خیال کے ذریعہ مختلف علمی مسائل کا حل نکلتا ہے۔ مختلف پیچیدہ گتھیاں سلجھتی ہیں، مگر فریق ثانی کا انتخاب محتاط رہنے کی دعوت دیتا ہے، مختلف اہل علم حضرات سے علمی مباحثہ کے ذریعہ یا ان کی

صحبت میں علمی تذکروں اور علمی باتوں سے معلومات میں بے حد اضافہ ہوتا ہے اہل علم حضرات کے علاوہ اپنے ساتھیوں سے بھی مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کیا کیجئے تاکہ آپ کا علم تازہ رہے۔ ایک سنسکرت عالم کا قول ہے :۔

"جس علم کو دہرایا نہ جائے وہ مردہ ہے"

لارڈ کلڈن کہتا ہے :

"بے جان مادہ اس وقت تک جاندار نہیں بن سکتا جب تک اس مادے سے نہ مل جائے جو پہلے سے زندہ ہے"

کتب بینی

بقول مولانا سید سلیمان ندوی :۔

"علمی زر و جواہر جن خزانوں میں سربمہر محفوظ ہیں ان کا نام کتاب ہے"

چراغِ فصاحت کے لئے تیل درکار ہے، تیل سے مراد مقرر کا مطالعہ ہے، فاکس کہتا ہے :

"جنہیں تقریر کا شوق ہو انہیں شاعروں اور ادیبوں کی کتابوں کا ہمیشہ مطالعہ کرنا چاہیئے"

لیکن بقول ایک فلاسفر کے کہ :

"ہم ہمیشہ کمی وقت کی شکایت کرتے ہیں تاہم ہمارے پاس اس قدر وقت ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اس میں کیا کام کریں"

کوئنٹس نے اسی بات کو کچھ اور وضاحت سے یوں کہا ہے :

"یہ ہم ہی ہیں جو وقت کو تھوڑا بناتے ہیں احتیاط و باقاعدگی کے ساتھ ہم کتنا وقت مطالعہ میں صرف کرتے ہیں اور کتنا ملاقات کے خالی از نفع طریقوں میں ہمارا وقت ضائع ہوتا ہے"

علمائے سلف کا شوق کتب بینی[ا]

اڈورڈ گبن (۱۷۹۴) بلا لحاظ موسم ہر روز صبح کے ۶ بجے اپنے کتب خانے میں داخل ہو جایا کرتا تھا، لیبٹز ایک جرمنی فلاسفر (۱۷۱۶) اپنے کتب خانے سے باہر قدم نہ نکالتا تھا، لبکل نے شوق مطالعہ میں اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی۔

ان مثالوں سے قطع نظر دور سابق میں علمائے اسلام کے شوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک مسئلہ کے حل کے لئے سینکڑوں میل پیادہ طے کرتے، ایک ایک کتاب کی تصنیف میں چالیس، چالیس پچاس، پچاس برس صرف کرتے۔

بقول علامہ سلیمان ندوی:

"یہی وجہ تھی جس کی وجہ سے قوم، تاج شاہی سے بڑھ کر عماموں کی عزت کرتی تھی۔"

زبیر بن بکار (۲۵۶) ایک مشہور امام اور مکہ میں عہدۂ قضاءت پر مامور تھے، شوق مطالعہ کا یہ عالم تھا کہ اپنے اہل و عیال سے بے خبر تھے ایک دن امام زبیر کی بھانجی نے امام محترم کی زوجہ سے کہا میرے ماموں نہایت لائق تعریف ہیں جنہوں نے سوائے تمہارے کوئی اور بیاہ نہیں کیا۔

امام محترم کی زوجہ محترم نے کہا:

"یہ کتابیں مجھ پر سوکنوں سے زیادہ گراں اور بھاری ہیں۔"

[ا] مولانا سلیمان ندوی کے مضمون علمائے سلف کا شوق کتب بینی سے اس ذیلی عنوان کے تحت اکثر واقعات نقل شدہ ہیں۔

ثعلب شیبانی جو فن نحو ولغت کا امام تھا، راہ چلتے ہوتے بھی مطالعہ میں مصروف رہا کرتا تھا، جامع مسجد سے نماز پڑھ کر آرہا تھا، آنکھیں مصروف مطالعہ تھیں۔ ایک گھوڑے سے ٹھوکر کھائی اور جاں بحق ہوگیا۔

تیغ وقلم کا مالک صاحب بن عبادہ (۳۸۵ ہجری) سلطنتِ سامانیہ کا وزیر تھا، علم وادب وانشا پردازی میں امام وقت تھا، کتب بینی سے اس کے عشق کا اندازہ اس واقعہ سے کیا جاسکتا ہے کہ خاندان بنو بویہ کے بادشاہ نوح بن منصور نے صاحب بن عبادہ سے بویہ کی وزارت قبول کرنے کی خواہش ظاہر کی اور بخارا بلوایا۔ منجملہ اور عذرات کے صاحب نے سب سے بڑا عذر یہ پیش کیا کہ یہاں سے ہٹنے کے لئے صرف میری کتابوں کے لئے چار سو اونٹوں کی ضرورت ہوگی۔

ابن رشد جو مشرق کا فیلسوف اعظم ہے ایک شب جبکہ ایک نئی کتاب انہیں ملی، ایک چراغ تلے وہ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے کھڑے ہوگئے، مطالعہ میں کچھ ایسی محویت رہی کہ جب تک چراغ کی خاموشی نے اختتام شب کی اطلاع نہ دی خبر نہ ہوئی۔

ان ساری مثالوں سے جو نکتہ واضح ہوتا ہے وہ یونائیٹڈ اسٹیٹ کی ایک بہت بڑی ربر کمپنی کے ڈائرکٹر بورڈ کے صدر کا ذاتی تجربہ ہے جس کی بناء پر اس نے مشہور ماہر نفسیات ڈیل کارنیگی سے مختصر الفاظ میں یوں کہا تھا:

"جس شخص کو اپنے کام سے دلچسپی نہ ہو وہ کسی قسم کی مصروفیت میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔"

گوکھلے آنجہانی کی بجٹ کی تقریریں اگر یادگار زمانہ رہی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے سالہا سال اس اہم مضمون کے مطالعہ میں گزار دیے۔ ایک مقرر کے لئے باقاعدہ اور اصولی مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

مطالعہ کی اہمیت کو واضح کرنے کے بعد اب ہم اصولی مطالعہ

کیا ہے؟ مقرر کے لئے کن کن علوم کا جاننا ضروری ہے، مطالعہ کے دوران میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، ان امور کی تشریح کریں گے۔

اصولی مطالعہ

مصنف کی شخصیت سے واقفیت کی بنا پر کتاب خریدی جاسکتی ہے۔ مثلاً مولانا محمد علی مرحوم کی کوئی کتاب، یا ابوالکلام آزاد، علامہ جمال الدین افغانی یا پھر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی کوئی کتاب، لیکن عام طور پر کتاب اور مصنف ہر دو سے ناواقف رہتے ہوئے کتاب کا خریدنا مولوی عبدالحق (معتمد انجمن ترقی اردو) کی زبان میں مجنونانہ فعل ہے۔

اصولی مطالعہ کے دوران میں ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ بغیر مقصد کے پڑھنا نہ صرف فضول ہے بلکہ مضر بھی۔

جب کبھی مطالعہ کیا جائے پہلے موضوع کا انتخاب کیا جائے پھر اس موضوع پر بہتر کتابوں کا انتخاب کرکے مطالعہ شروع کیا جائے۔

مقرّر کے لئے کن علوم کا جاننا ضروری ہے۔

سقراط کہتا ہے کہ:

"صرف علم کی ان ہی شاخوں اور شعبوں کا علم حاصل کرنا چاہیئے جو مقرر کے لئے بہت ضروری ہیں"

ان میں بعض علوم تو ہر فن کے مقرر کے لئے ضروری ہیں۔ مثلاً واعظ کے لئے، سیاسی تقریر کرنے والوں کے لئے، ادبی تقریر کرنے والوں کے لئے؟

علم نفسیات، منطق اپنے زبان کے ادب کی قواعد کا مطالعہ اور ہر علم وفن کے موٹے موٹے اصولوں سے آگاہی ضروری ہے۔

لیکن اپنے خاص فن میں مہارت بہرحال ضروری ہے۔

لارڈ چسٹر فیلڈ نے اپنے بیٹے کے نام ایک خط میں اسے ہدایت کی

تھی کہ :

"اچھی تقریر کو شغل بنانا چاہتے ہو تو وسیع مطالعہ کو اپنی تفریح کا ذریعہ سمجھو۔"

مطالعہ کے دوران میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے

فاکس کہتا ہے کہ : " دَوران مطالعہ میں نئے الفاظ یاد کیے جائیں "

عموماً مطالعہ کے دَوران میں جو نئے الفاظ آتے ہیں ناظرین ان کی پروا نہیں کرتے، ہر نئے لفظ کو نوٹ کیجیے، اس کی ایک الگ کاپی تیار کر کے ان میں ایسے الفاظ جمع کیجیے اور اوقاتِ فرصت میں انہیں یاد کیا کیجیے۔

کتاب سے چند الفاظ اور جملے لے کر ان کے مترادفات یاد کیجیے مثلاً میں چاہتا ہوں، میری خواہش ہے وغیرہ۔ قادرالکلامی کیلئے کتاب کے متن کو اپنے الفاظ میں ظاہر کیا کرو۔

جب مطالعہ شروع کرو اور درمیان میں کوئی قابل بیان چیز مل جائے تو اس پر پنسل سے باریک نشان لگا دو، کتاب کے ختم ہو جانے پر ان باتوں کو ایک بیاضِ خصوصی میں مختلف عنوانات کے تحت نقل کر لیا کرو۔

جب کتاب میں کوئی اچھا مقولہ یا شعر دکھائی دے تو ان چیزوں کو ایک علیحدہ بیاض میں نقل کرو اور اپنی فرصت کے وقت انہیں یاد کر لیا کرو۔

شعراء کے کلام کا مطالعہ کیا کرو اس سے زبان میں سلامت و شستگی پیدا ہوتی ہے۔ تب ہی تو فاکس نے بھی اس کے مطالعہ پر زور دیا ہے۔

جس طرح عمارت کی تعمیر میں صرف گچ اور چونے ہی کی ضرورت نہیں پڑتی بلکہ کچھ اور چیزیں بھی درکار ہوتی ہیں اسی طرح اثر پذیری

میں طرز بیان تسلسل اور مواد ہی سب کچھ نہیں ۔

ہم ایک لفریب صورت کو دیکھ کر متاثر ہوتے ہیں لیکن اگر ہم سے پوچھا جائے کہ خاص طور پر تم کو اس کی کونسی چیز نے متاثر کیا تو ہم وجہ بیان کرنے سے قاصر ہیں، اسی طرح اثر پذیری کا مدار بھی کسی ایسی چیز پر نہیں بلکہ خود کا متاثر ہونا، ایکشن کی اہمیت، الفاظ کا بجا استعمال، مناسب آواز، تمہید واختتام قوتِ ارادی، نفسیات دانی، مقرر کا لباس، مقرر کے دانت، تقریر کی مناسب طوالت یا اختصار جیسے موضوعات اکٹھا ہو کر اثر پذیری کا جامہ اختیار کرتے ہیں، اب ہم ذیل میں اثر پذیری کے تعلق سے ذیلی عنوانات پر تفصیلی تبصرہ کریں گے ۔

قوتِ ارادی وخود اعتمادی

مقرر کے لئے ضروری ہے کہ وہ دل میں اس بات کا یقین رکھے کہ اس کی گفتگو سننے والوں میں اس سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں، عدمِ اعتمادی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، خود اعتمادی کی اہمیت کا اندازہ شاید آپ اس بات سے کر سکیں کہ خطباءِ عرب عموماً اونٹ پر سوار ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے ۔

معبد بن طوق عنبری، عرب کا ایک مشہور خطیب تھا وہ ایک بار کسی محفل میں تقریر کے لئے کھڑا ہوا اور نہایت عمدہ تقریر کی لیکن اسی محفل میں جب اس کو دوبارہ بیٹھ کر بولنا پڑا تو وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگا، اہلِ محفل تعجب میں تھے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟ کسی نے معبد سے وجہ پوچھی، معبد نے کہا: جب میں کھڑا ہو جاتا ہوں تو جوان ہو جاتا ہوں اور جب بیٹھ جاتا ہوں تو بوڑھا ہو جاتا ہوں ۔"

اپنی ذات پر بھروسے کے تعلق سے ایاس کی مثال بڑی ہی دلچسپ

اور سبق آموز ہے۔

عرب کے ایک مشہور خطیب ایاس سے لوگوں نے کہا:

"تم میں صرف یہ عیب ہے کہ اپنے خطبے پر بہت ناز کرتے ہو"۔

ایاس نے جواباً کہا:

"میری تقریر تم کو پسند ہے یا نہیں"۔

لوگوں نے کہا "کیوں نہیں"۔

بولا، تو خود میں اس کو کیوں نہ پسند کروں"۔

قوتِ ارادی مقرر میں دلیری پیدا کرتی ہے اور مقرر کے حوصلے اسی قوت سے ابھرتے ہیں، یہ قول کتنا صحیح ہے کہ:

"جو شخص اوپر نہیں دیکھتا نیچے دیکھنے پر مجبور ہے اور جس کی ہمت بلند نہیں اس کی مقدور میں محرومی ہے، یہ آئین حیات ہے"۔

یہ وہ قوت ہے جو "میں کر سکتا ہوں" کو "میں کروں گا" اور "میں کروں گا" کو "میں نے کر دکھایا" میں بدل دیتی ہے۔

مشہور مفکر بکسٹن کا قول ہے کہ:

"میری جتنی عمر گذرتی جاتی ہے میرا یہ یقین واثق ہوتا جاتا ہے کہ دنیا میں بڑے اور چھوٹے، کمزور اور طاقتور، مشہور اور گمنام انسانوں میں صرف ایک ہی چیز کا فرق ہے اور اس کا نام ہے قوتِ ارادی، دنیا میں ایک ہی طاقت ہے جو سب کچھ کرا سکتی ہے اور جس کے بغیر کوئی قوت، کسی قسم کے حالات اور بہتر سے بہتر اتفاقات بھی اس دو پایہ کو انسان نہیں بنا سکتے ——— وہ ہے ارادے کی قوت ——— ایک ناقابل تسخیر عزم اور ایک مقصد کا تعین"۔

جنرل گرانٹ ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا صدر گذرا ہے، صدر منتخب ہونے سے پہلے وہ ایک زبردست فوجی سالار تھا لیکن شراب نوشی

اور دیگر ایسی ہی علتوں کے باعث جو عہدہ بھی اسے ملا اوس نے کھو دیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کے احباب سڑک پر آتا ہوا دیکھ کر کتراتے تھے کہ ملتے ہی یہ حضرت کچھ قرض مانگ بیٹھیں گے، عزیزوں نے بھی تنگ آکر گھر سے نکال دیا تھا۔

رات بھر کا جاگا گرانٹ ایک صبح جب کہ وہ ایک گھٹیا قسم کا ناشتہ زہر مار کر رہا تھا ایک بار اس نے جھرجھری لی اور کہا:

"یہ حالات اب رک جانا چاہیئے"۔ اور حالات کو واقعی رک جانا پڑا اس نے اپنی قوتِ ارادی سے پورا پورا کام لیا اور اپنی بری عادتوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کی اور بالآخر اپنے صدر (ابراہیم لنکن) تک کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

جب کبھی گرانٹ کی برائیاں، ابراہیم لنکن کی کان تک پہنچتیں اور لوگ کہتے کہ "گرانٹ بہت زیادہ شراب پیتا ہے"۔ تو لنکن اپنی بھونڈی آواز میں فوراً جواب دیتا:

"اچھا کونسی شراب؟ میں اس شراب کی بوتلیں اپنے سارے افسروں میں تقسیم کروں گا"۔

دنیا کا یہ ٹھکرایا ہوا انسان اپنی قوت ارادی سے ایک دن امریکہ کا صدر منتخب ہوا۔

سمجھو اور محسوس کرو۔

لارڈ ارسکن کہتا ہے:

"خود ہمارا دل ہی چشمۂ بلاغت و خطابت ہے۔ بہت سے خطیب جو اس فن میں ناکام رہ جاتے ہیں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں خود وہ محسوس نہیں کرتے"۔

اسی خیال کو سی بار لئے اپنے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے :

"جو کچھ تمہاری زبان سے نکل رہا ہے اور جس سے متعلق تم اپنے سامعین کو متاثر کرنا چاہتے ہو اس کو سمجھو اور اس کو محسوس کرو۔"

اس کے معنی یہ ہوئے کہ جب تم کسی چیز کو سمجھو گے اور محسوس کروگے تب ہی تمہارے دل میں خلوص اور جوش پیدا ہوگا، گویا جب تم خود اپنے الفاظ کی اہمیت کو سمجھو گے اور محسوس کرو گے تو خود بخود لوگ تمہارے خیالات کو سمجھنے اور محسوس کرنے کی کوشش کریں گے۔

والٹیر کا لارڈ میکالے اڈیسن اور سوئفٹ سے مقابلہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"جب کبھی وہ دوسروں کو ہنسانا چاہتا تھا تو خود بھی اپنی تحریر میں کھِل کھِلا کر ہنس دیتا تھا۔"

عامر بن عبدالقیس کہتا ہے :

"جو بات دل سے نکلتی ہے وہ دل میں گھر کرلیتی ہے اور جو بات زبان سے نکلتی ہے وہ کانوں سے آگے نہیں بڑھتی۔"

چراغِ فصاحت کے لئے تیل درکار ہے اور اس کے اکسانے کے لئے جوش، تب ہی وہ جلتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے۔ اگر کاڑی میں جلانے کی خاصیت نہ ہو تو چراغ کیسے جلے گا۔ اسی طرح از خود تم متاثر ہوئے بغیر اوروں کو کس طرح متاثر کر سکتے ہو؟

تمہید و اختتام

تمہید جس طرح عنوان سے مضمون کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے اسی طرح تمہید سے تقریر کا حال معلوم ہوتا ہے۔ تمہید میں مضمون زیرِ بحث کی عظمت و قدرت ظاہر کی جاتی

ہے، عموماً تمہید کو مثالوں، مقولوں سے شروع کرنا چاہیئے کیوں کہ تقریر کی ابتدا پر عوام کلیتہً متوجہ رہتے ہیں اور عوام غیر شعوری طور پر نکتہ چینی کی طرف مائل ہوتے ہیں اس لئے تقریر کی ابتدا بہر حال اچھی ہونی چاہیئے تمہید کا مختصر ہونا یا اس کو طول دینا موقعہ و محل اور نزاکتِ وقت پر منحصر ہے، بسا اوقات طویل تمہیدوں میں مقررین نفس مضمون سے بھٹک جاتے ہیں، ایسی صورت میں بہت سے نکات تشنہ رہ جاتے ہیں، اس تعلق سے نواب محسن الملک یکتائے روزگار تھے، یوں تو بحیثیت مقرر ان میں بہت سی خوبیاں تھیں لیکن ان کا وقت کے ہاتھوں مجبور نہ ہو کر وقت کو اپنے ہاتھوں مجبور کر رکھنا قابل ذکر ہے۔

تقریر کی ابتدا سے قبل بھی چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔ مثلاً مجمع کے شایانِ شان الفاظ کا استعمال اور تخاطب میں سامعین اور اپنی عمر کا فرق۔ اپنے اور سامعین کے علم و رشتہ کا فرق وغیرہ۔

اختتام

پروفیسر ہارٹے کہتا ہے:

"اگر تقریر کا اختتام مؤثر نہ ہو تو اچھی سے اچھی تقریر اپنے اثر کے لحاظ سے اکثر ناکام ہو جاتی ہے۔"

تقریر کا اختتام ہمیشہ کامیاب ہونا چاہیئے بمعنی دیگر اختتام کا مناسب وقت سے ٹل جانا گویا اثر کا زائل ہو جانا ہے، اکثر دیکھا گیا کہ بہتر سے بہتر تقریر یکایک اختتام کے باعث بے اثر ثابت ہوئی۔

بعض مقررین تقریر ختم کرنے سے پہلے ایک بار اپنی تقریر کا مختصر خلاصہ بیان کرتے ہیں، یہ طریقہ ایسی صورت میں موزون ہے جب کہ خیالات کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ سامعین اسے "دہرانہ" خیال نہ کرے۔

تقریر کا اختتام، تقریر کی نوعیت پر منحصر ہے، مثلاً ادبی

تقریروں، سیاسی تقریروں، نشری تقریروں اور انعامی تقریروں کے اختتام میں کافی فرق ہوتا ہے، مذہبی تقریروں میں دعا پر تقریر کا اختتام عمل میں آتا ہے، سیاسی تقریروں میں اپنی تقریر کے اختتام پر مقصد کے لئے ابھارا جاتا ہے اسی طرح تقریر کی نوعیت پر اس کے اختتام کا انحصار ہے، انعامی تقریروں میں مختلف دلچسپ شعر منتخب کئے جاتے ہیں جن پر تقریر کا اختتام عمل میں آتا ہے جن کی تفصیل انعامی تقریروں کے باب میں آئے گی۔

الفاظ کی اہمیّت اور اُن کا استعمال

انگلستان[1] کا مشہور نقاد رسکن کہتا ہے کہ

"خوبصورت اور کامل لفظ یاد رکھنا بہت ہی قابل قدر اور بہترین عقلمندی ہے"

اڈورڈ ٹامس نے الفاظ کے متعلق کیا ٹھیک کہا ہے کہ

"الفاظ گو مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ نازک ہوتے ہیں لیکن زمین و آسمان دونوں کی ان تمام اشیاء کو قابو میں رکھ سکتے ہیں جو بہت ہی درزنی مضبوط اور طاقتور ہوتی ہیں جو نہایت ہی حسین ہوتی ہیں اور جو یا تو بہت جلد فنا ہو جاتی ہیں یا ہمیشہ باقی رہنے والی ہوتی ہیں، غرض کہ معمولی معمولی الفاظ ہی تو ہیں جن کی مدد سے دنیا آج ہمیں معراجِ ترقی پر پہنچتی نظر آتی ہے۔

ماردن نے اپنی پراز معلومات کتاب "دی لیونگ پاسٹ" میں ارتقائے تمدن کے دیگر اسباب میں اسی سبب کو زیادہ رفیع الشان

---

[1] ۴۳ - ۴۴، اردو کے اسالیب بیان از ڈاکٹر زور۔

قرار دیا ہے تاہم اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ الفاظ بغیر خوبی ترتیب کے محض بیکار ہیں۔

ڈایونی سنس کا مشہور قول ہے کہ

"الفاظ ہی کی مناسب ترتیب سے ادب مع اپنے متفرق شعبوں کے پیدا ہوتا ہے۔"

الفاظ کا استعمال

علامہ[1] ابن خلدون نے الفاظ کو پیالہ اور معانی کو پانی قرار دیا ہے۔ پانی کو چاہو سونے کے پیالہ میں بھر لو چاہے مٹی کے۔ لیکن سونے کے پیالہ میں اس کی قدر بڑھ جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اختلاف ظرف سے پانی کی ماہیت میں فرق آجاتا ہے۔ مثلاً سونے کے پیالے میں زہر اور مٹی کے پیالہ میں امرت ہو تو وہ خوشگوار و صحت بخش اور یہ ناگوار اور جان لیوا ہوگا، جب آب شیریں سونے یا مٹی کے پیالے میں ہو تو ہر دو حالتوں میں وہ شیریں ہی رہے گا۔ البتہ ظاہری خوشنمائی اور دل آویزی میں تفاوت ہوگا۔ اور یہی ظاہری خوشنمائی و دلاویزی وہ زبردست عنصر ہے جس پر کسی تقریر کی ادبیت کا دارومدار ہوتا ہے۔ بقول مولانا حالی:

"معنی اور مطالب صرف الفاظ کے تابع ہیں اور ہر شخص کے ذہن میں موجود ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ ان مطالب کو بہترین طور پر ادا کرنا سیکھیں اور حتی الامکان اس بات کی کوشش کی جائے کہ معانی اور الفاظ میں ہم آہنگی رہے۔"

لفظ[2] درحقیقت ایک قسم کی آواز ہے اور چوں کہ آوازیں بعض

---

[1] ص ۴۳-۴۴، اُردو کے اسالیب بیان از ڈاکٹر زور۔

[2] مضامین شبلی جلد دوم۔

شیریں، دلاویز اور لطیف ہوتی ہیں مثلاً طوطی و بلبل کی آواز اور بعض مکروہ و ناگوار مثلاً کوے اور گدھے کی آواز، اسی بنا پر الفاظ بھی دو قسم کے ہیں، بعض شستہ و سبک، شیریں اور بعض ثقیل، بھدے ناگوار، پہلی قسم کے الفاظ کو فصیح کہتے ہیں، دوسرے کو غیر فصیح۔

بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ فی نفسہٖ ثقیل اور مکروہ نہیں ہوتے لیکن تقریر و تحریر میں ان کا استعمال نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے اس قسم کے الفاظ بھی جب ابتداءً استعمال کئے جاتے ہیں تو کانوں کو ناگوار معلوم ہوتے ہیں، ان کو فن بلاغت کی اصطلاح میں غریب کہتے ہیں اس قسم کے الفاظ بھی فصاحت میں خلل انداز خیال کئے جاتے ہیں۔

معانی و الفاظ کی مناسبت (مفرد الفاظ)

حسن کلام کا ایک بڑا نکتہ یہ ہے کہ مضامین کی نوعیت کے لحاظ سے الفاظ استعمال کئے جائیں، لفظ چوں کہ آواز کی ایک قسم ہے اور آواز کے مختلف اقسام ہیں، مہیب، پر رعب، سخت، نرم، شیریں، لطیف۔

اسی طرح الفاظ بھی صورت اور وزن کے لحاظ سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض نرم شیریں اور لطیف ہوتے ہیں۔ بعض سے جلالت و شان ٹپکتی ہے بعض سے درد اور غمگینی ظاہر ہوتی ہے، یعنی مختلف قسم کے مضامین کے لئے ایک ہی قسم کے الفاظ موزون نہیں ہوا کرتے، مثلاً غیض و غضب کے لئے ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن الفاظ کی آواز اور لہجہ سے بھی غیض و غضب کا اظہار ہوتا ہو۔

(مضامین شبلی جلد دوم)

تشبیہات و استعارے

ارسطو کہتا ہے کہ "استعارات کو خطیب اور

تشبیہات کو شاعر زیادہ استعمال کرتے ہیں"۔

برک کو استعارات کے استعمال میں کمال حاصل تھا۔

تشبیہ کا لفظ مشابہت سے ہے اور استعارہ مستعار سے۔ زید شیر کے مشابہ ہے، زید شیر ہے، ان جملوں میں پہلا تشبیہ ہے، دوسرا استعارہ تشبیہات و استعارات کے استعمال پر عبور کے لئے مختلف مواقعوں پر ان کے استعمال پر غور کرنا اور پھر اپنے طور پر استعمال کرنا چاہیئے تا کہ مشق ہو سکے اور غلطی کا امکان باقی نہ رہے۔

چند معمولی مگر اہم باتیں

یہ بات انسانی فطرت میں داخل ہے کہ دس خوبیوں کی داد دینے کے لئے انسانی فطرت اتنی جلد مائل نہیں ہوتی جتنی جلد ایک جرم کے پاداش میں بیداد پر آمادہ ہو جاتی ہے، لہذا ہمیں بڑی چھوٹی قسم کی کمزوریوں سے مبرا رہنے کی کوشش کرنا چاہیئے تا کہ خاطر خواہ طور پر ہماری تقریر پر اثر ہو سکے۔

ا—— تقریر کے لئے اسٹیج پر آتے ہوئے رکنا یا شرماتے ہوئے قدم بڑھانا یا ممبر پر کھڑے ہونے کے بعد آواز کا پست ہو جانا، اثنائے تقریر میں ادھر اُدھر دیکھنا، انگلیوں کو مروڑنا، میز کا سہارا لینا، کھانسنا، چہرے پر گھبراہٹ کے آثار، غلط تلفظ، رعب محفل، تکیہ کلام، لمبے چوڑے فقرے رک رک کر اور آہستہ آہستہ تقریر کرنا، خارج از بحث مسائل کا ذکر وغیرہ ان باتوں سے پرہیز کیجئے، یہ اثر پذیری کے لئے سم قاتل ہیں۔

۲—— اثنائے تقریر میں غلط قسم کے معلومات تقریر کا سارا اثر ختم کر دیتے ہیں۔

۳ـــ دَورانِ تقریر میں ایک ہی بات کو بار بار کہنے سے تقریر بے اثر ہو جاتی ہے اگر کسی چیز کا بار بار ذکر ناگزیر ہو تو ہر بار ایک نیا انداز اختیار کرو۔

۴ـــ دورانِ تقریر میں لطیفے، قصے، امثال، ضرب المثال، اعداد شمار، تقریر کے اثر میں اضافے کا موجب ثابت ہوتے ہیں۔

۵ـــ الفاظ کی بجا تکرار سے اثر پذیری میں اضافہ اور بیجا تکرار سے اثر پذیری میں کمی واقع ہوتی ہے۔

۶ـــ بعض مقرر اپنے مقررہ وقت سے زیادہ تقریر کے متمنی ہوتے ہیں، نہ تو وہ پروگرام کی پرواہ کرتے ہیں نہ اہل مجلس کی اور نہ ہی میر مجلس کی، وہ اپنی ذات کو انجمن سمجھتے ہیں اس قسم کی چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔

گرتیھم لندن میں آکر چیھیم کی تقریروں کو (جو پارلیمنٹ میں ہوا کرتی تھی) سنا کرتا تھا اور اس طرح وہ چیھیم کی اچھی باتوں کو اختیار کر کے خود بھی ایک اچھا اور نامور مقرر بن گیا۔

اسی خیال کے پیش نظر سی ہارڈے کہتا ہے:

"جس مقرر کی تم تقریر سنو اس سے کوئی نہ کوئی بات ضرور سیکھو"۔

یعنی یا تو اس کی بری حرکات کو دیکھ کر ان سے اجتناب برتو یا اس کی اچھی عادتوں کو جو تم میں نہیں ہے اختیار کرو۔

ہمیشہ امرسن کے اس خیال کو پیشِ نظر رکھو:

"جو بھی انسان مجھ سے ملتا ہے وہ کسی نہ کسی طرح مجھ سے اعلیٰ و برتر ہے اس لئے میں اس سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتا ہوں"۔

اسی طرح تم بھی ہر ایک سے ہر چیز سے اور ہر بات سے کچھ نہ کچھ ضرور سیکھو۔

مقرر اور کردار

اخلاق نے جو قوانین مرتب کئے ہیں ان کی پابندی کا نام کردار ہے، کردار کی بنیاد علم و حقائق پر ہے، کردار انسانیت کی کسوٹی ہے، جو قومیں صاحب کردار نہیں ہوتیں ان سے دنیا کی امامت چھین لی جاتی ہے اور انفرادی حیثیت سے جس فرد کے کردار میں کمزوری ہو وہ ہمیشہ ایک نفسیاتی کشمکش سے دوچار رہتا ہے، جن لوگوں کے ضمیر مجرم ہوں وہ کبھی اچھے مقرر نہیں بن سکتے، بے خوفی، جرأت، بے باکی ان ہی کا حصہ ہے جن کے دامن جرم و گناہ کے دھبوں سے مبرا ہوں، احساسِ گناہ آدمی کی ہمت اور حوصلے کو پابہ زنجیر رکھتا ہے اور اس کا یہ جذبہ ابھرنے نہیں پاتا۔ ایک بدکردار مقرر عوام کے قلوب پر حکومت نہیں کرسکتا، جس کھیت میں خاردار جھاڑیاں اور فضول گھانس اگتی ہو اس مقام پر کارآمد غلہ کی پیدائش کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی طرح جس طرح کہ ایک بدکردار مقرر کی تقریر سے اثر پذیری کا سوال از خود غلط ہو جاتا ہے۔

مقرر کے لئے نیک چلنی اور کردار ایسے ہی ضروری ہیں جیسے آئینہ کے لئے پارہ، نیکی بذاتِ خود ایک جوہر ہے اور یہ جوہر مقرر کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ لباس انسان کے لئے۔

کردار بنانے کے لئے ایثار، اولو العزمی، ہمت اور قربانیوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ امرسن نے کہا ہے:

"اچھے خصائل چھوٹی چھوٹی قربانیوں سے سنورتے ہیں۔"

مقرر اور مضمون نگاری

لاطینی دنیا کا شہرۂ آفاق خطیب کونٹلیس کہتا ہے:

"قلم، فنِ خطابت کا بہترین معلم ہے۔"

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ مضمون نگاری سے تقریر میں بہت کچھ مدد ملتی ہے، فصیح موزون مناسب الفاظ کے استعمال کا مذاق، الفاظ کی نشست و بندش کا امتیاز مضمون نگاری ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ عزیز مرزا کی خوبیٔ تقریر کا مدار ان کی تحریر پر تھا۔

بقول شخصے "ان کی تقریر ایک خاموش دریا ہوتی تھی جس میں جہاں کہیں موڑ آجائے تو تیزی پیدا ہوجاتی اور ساتھ ہی کناروں کے کھیت بھی سیراب ہوجاتے، یہ سلامت یہ روانی یہ سلجھاؤ یہ انداز بیان دراصل ان کی مضمون نگاری کا ثمر تھا۔"

ہر روز کسی ایک عنوان پر کچھ نہ کچھ لکھنا چاہیئے تاکہ مشق جاری رہے، خیالات میں وسعت پیدا ہو، تقریر میں سلاست روانی اور سلجھاؤ کے ساتھ ساتھ انداز بیان میں دل کشی پیدا ہوسکے سسرو کے اس خیال کو ہمیں فراموش نہ کرنا چاہیئے جو اس کے ذاتی تجربات کا نچوڑ ہے کہ

"قلم فصاحت کا صانع اور معلم ہے۔"

تقریر مختصر ہو یا طویل

تقریر کی طوالت یا اختصار کا انحصار، موضوع تقریر یا سامعین کے ذوق، محل وقوع روانی اور برجستگی پر منحصر ہے۔

بسا اوقات تقریر کی غیر ضروری طوالت سے تقریر کا اثر متأثر ہوتا ہے اور بیجا اختصار سے بھی تقریر کے اثر میں کمی پیدا ہوجاتی ہے کیوں کہ بعض موضوعات پر مختصر تقریر کارگر نہیں ہوسکتی ہے، ایسے موضوعات پر اگر تقریر مختصر کی جائے تو تشنہ رہ جاتی ہے اور بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں کہ چند جملوں میں سامعین کے دل گرما دیئے جاسکتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

"نماز کو طول دینا اور خطبے کو مختصر کرنا آدمی کے عقل کی علامت ہے۔"

لیکن تقریر کے اختصار یا طوالت کے لئے حد کا مقرر کرنا غلطی ہے۔ کیوں کہ تقریر کی طوالت یا اختصار کا انحصار تو حاضرین کے شوق، موقع و محل پر منحصر ہے، بسا اوقات مجمع چند فقرے سننا بھی گوارا نہیں کرتا اور بعض دفعہ گھنٹوں بھی سیری نہیں ہوتی۔

سامعین کے شوق و دلچسپی کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی، البتہ اتنا کہا جاسکتا ہے کہ جو تقریر طبیعتوں پر گراں گذرے وہ زاید از ضرورت ہے اس طرح ایک ہوشیار مقرر کا فرض ہے کہ وہ موقع شناسی سے کام لے، حاضرین کے انداز اور اشارے ان کے ذوق یا عدمِ ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔

اس سلسلہ میں عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

"جب تک لوگ تمہارے چہرے کو دیکھتے رہیں اس وقت تک تقریر کرتے رہو لیکن جب اس میں ذرہ برابر بھی فرق آجائے تو رک جاؤ۔"

بعض حکمائے قدیم کا قول ہے کہ:

"جو شخص تمہاری باتوں کو شوق سے نہ سنے اس کو سننے کی تکلیف نہ دو۔"

ہاں! یہ بالکل صحیح ہے اس لئے کہ جو بات دلچسپی سے نہ سنی جائے اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوسکتا جس تقریر کا اثر مرتب نہ ہو وہ بیکار ہے۔"

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا کہ کوئی تقریر محض مختصر ہو کر موثر نہیں ہوسکتی کیوں کہ تاریخ فن خطابت میں کئی ایک نمونہ کی تقریریں دکھائی دیتی ہیں جن میں بعض مختصر ہیں لیکن مؤثر نہیں، مختصر نہیں مؤثر ہیں، مختصر بھی ہے اور مؤثر بھی۔

جولائی ۱۷۹۸ء میں احرام مصر کے سامنے نپولین کی فرانسیسی افواج

..... اور اہل مصر کے درمیان جو معرکہ آرائی ہوئی اس وقت اپنی افواج کو آگے بڑھانے کے لئے نپولین نے چند الفاظ پر مشتمل تقریر کی تھی جو تاریخ خطابت میں یادگاری حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے صرف اتنا کہا تھا:

"نوجوانو! ان اہرام کی چوٹیوں سے مصر کے چار دور تمہیں دیکھ رہے ہیں"۔

سلطان محمد نے ایک موقع پر جب کہ فتح کی کوئی صورت نہ تھی اور فتح کا خیال خشکی پر جہاز دوڑانے کے مترادف سمجھا جارہا تھا ایسے موقع پر سلطان محمد نے کیا کہا تھا؟

اس نے صرف دس منٹ تقریر کی اس کی تقریر کا اثر تھا کہ دو گھنٹے میں ناممکن ـــــ ممکن ہوگیا، برخلاف اس کے مصطفےٰ کمال کی تاریخی تقریر پر نظر کیجئے۔

اکتوبر ۱۹۲۷ء کو ترکی جمہوری پارٹی کی دوسری کانگریس میں مصطفےٰ کمال نے ایک معرکۃ الآراء تقریر کی جو چھ دن تک جاری رہی اس تقریر میں جو تاریخ فن خطابت کی یادگاری لمبی تقریروں میں سے ایک ہے۔ غازی مصطفےٰ کمال نے پہلی سالگرہ سے ۱۹۲۷ء تک کے ترکی مسائل پر تبصرہ کیا۔

باوجود اس کے کہ یہ تقریر انتہائی طویل تھی سامعین کے ذوق کی کوئی انتہا نہ تھی، یہی وہ تقریر ہے جو اتاترک کی وصیت کہلاتی ہے۔

محل وموقعہ، موضوع تقریر، سامعین کا ذوق اور روانی و برجستگی یہی تقریر کے پھیلاؤ یا اختصار کی بنیادیں ہیں لہذا ہمیں ان ہی باتوں کو پیشِ نظر رکھنا چاہیئے۔

ظرافت

ظرافت کے ذریعہ سامعین کی طبیعت میں تازگی، مخالفین کے منطقی استدلال میں کمزوری اور تقریر میں اثر پذیری و دلچسپی پیدا ہوتی ہے، برٹش پارلیمنٹ میں کیننگ کے طنزیہ فقرے قوی سے قوی استدلالات سے بھی زیادہ مؤثر ثابت ہوتے تھے اسی لئے مخالفین اس کے اس آلہ سے ہمیشہ خائف رہتے تھے، خود ولیم پٹ سے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ صرف اس لئے شریڈن سے خائف تھا کہ شریڈن ظریفانہ جملوں سے اوروں کی تقریر کا سحر اتار دیا کرتا تھا، مختصر یہ کہ یہ وہ قوت ہے جس سے مخالفین کی پرزور بحثیں اور دلیلیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔

انگلستان میں مولانا محمد علی تقریر فرما رہے ہیں، وقت صرف ۵ منٹ دیا گیا، تمہید یوں شروع کی:

"میں ۶ ہزار میل کے فاصلے سے تیس کروڑ آبادی کی نمائندگی کرنے آیا ہوں، اب آپ خود حساب لگائیے کہ ایک ایک منٹ نہیں ایک ایک سکنڈ بلکہ ہر سکنڈ کی کسر میں مجھے کتنی ترجمانی کا وقت ملتا ہے"

سارا مجمع ہنس پڑا، کرسیٔ صدارت سے لیکر ایوان تک سب ہی متاثر ہوئے، نتیجہ یہ ہوا کہ ۵ منٹ کی بجائے مولانا ۲۰ منٹ تک تقریر کرتے رہے۔

فلیڈلفیا کی عدالت میں ایک مرتبہ ایک دلچسپ مقدمہ زیر سماعت تھا اس مقدمہ میں ایک نامور وکیل مسٹر پٹرسن نے تین روز تک بڑی معرکہ آرا بحث کی، فریق مخالف کی طرف سے بھی نیویارک کا مشہور بیرسٹر جارج وڈ مقدمہ کی پیروی کر رہا تھا، اس نے دیکھا کہ کام بگڑ چکا ہے، مخالف کوئی معمولی قابلیت کا انسان نہیں، تین روز تک مسلسل بحث کر چکا ہے، عدالت

پری طرح متأثر ہو چکی ہے، چند لمحے غور کے بعد اس کا دماغ ایک نکتہ پر پہنچا۔ جوابی تقریر کے لئے کھڑا ہوا اور کہا:

"مائی لارڈ اینڈ جیوری! آپ نے تین روز بادلوں کی گرج اور بجلی کی کڑک میں بسر کئے، آپ ارضی لذائذ بھول گئے ہوں گے۔ لیجئے میری تقریر سنئے، اگر آپ نے اسے غور سے سن لیا تو آپ ان بادلوں سے اتر کر زمین پر چلنے کے قابل ہو جائیں گے"۔

ان چند تمہیدی فقروں سے عدالت میں ایک قہقہہ بلند ہوا، طبیعتوں کی تھکن تازگی میں بدل گئی، ظرافت کے چھیڑ سے نفسیات دانی کے افادے نے بادلوں کے استعارے سے، ججوں کے ذہن کو دلائل سے ہٹا کر طوالت کی طرف منتقل کر دیا جس کا نتیجہ کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوا۔

"طنز[1] و ظرافت کی مثال پرانے زمانے کے جادو یا عملیات سے دی جا سکتی ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ ان میں کہیں بھی خامی رہ جائے تو دشمن کی بجائے خود عامل اس کا شکار ہو جاتا ہے، طنز و ظرافت کا بھی یہی حال ہے اگر اس کا وار خالی جائے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ مقرر میں کوئی خامی ہے، اچھے طنز و ظرافت کا معیار کمال ہی یہ ہے کہ وہ کبھی خالی نہ جائے"۔

حاضر جوابی

بسا اوقات دوران تقریر میں سامعین کی طرف سے سوالات اٹھائے جاتے ہیں اگر جوابات خاطر خواہ نہ ہو تو تقریر کا سارا اثر خود بخود ختم ہو جاتا ہے، عموماً اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ جواب ظرافت آمیز ہو۔

زیڈ، اے بخاری انگلستان میں ایک جلسے کو مخاطب کر رہے تھے، دوران تقریر میں انہوں نے کہا کہ "ہم کشمیر میں استصواب عامہ چاہیئے

---

[1] خنداں از رشید احمد صدیقی۔

ہیں" ایک کشمیری نوجوان اٹھ کھڑا ہوا اور کہا: "میں کشمیری ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ استصواب عامہ ہو۔" بخاری نے جواباً کہا:

"جس طرح آپ نے اپنے خیال کا اظہار کیا اسی طرح ہم چاہتے ہیں کہ کشمیر کے دیگر باشندے بھی اپنے اپنے خیال کا اظہار کریں اگر آپ کشمیر کے یکہ و تنہا باشندے ہوتے تو آپ کے خیال کے مطابق کشمیر میں استصواب عامہ کی ضرورت کو کالعدم قرار دیا جاتا۔"

لائیڈ جارج سابق وزیر اعظم انگلستان ایک مرتبہ پارلیمنٹ میں تقریر کر رہے تھے کہ

ہمیں سوئیڈرلینڈ کی آزادی کے لئے لڑنا ہوگا، ہمیں عمالی حکومت کی آزادی کے لئے لڑنا ہوگا، ہمیں ڈنمارک اور ناروے کو آزاد کرانا چاہیئے غرض وہ ہر ایک ملک کا نام لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہمیں اس کی آزادی کے لئے لڑنا ہوگا، ایک رکن پارلیمنٹ اس تقریر سے اکتا گئے اور وہ اٹھ کر کہنے لگے کہ ہمیں جہنم کی آزادی کے لئے بھی لڑنا ہوگا۔ اس پر لائیڈ جارج کہنے لگے کہ ہاں یہ سچ ہے کہ ہر ایک کو اپنا وطن بہت ہی عزیز اور پیارا ہوتا ہے اور ہمیشہ اس کو اپنے وطن کی فکر لاحق ہوتی ہے لہذا اس کی آزادی کے لئے ہم آپ کی خاطر ضرور لڑیں گے۔

(اس پر پارلیمان میں ایک قہقہہ بلند ہوا)

مشہور سیاست داں لائیڈ جارج تقریر کرنے کھڑے ہوئے تو مجمع میں سے ایک شخص نے پکارا۔ "اسے دیکھو" یہ تقریر کرنے چلا ہے اس کا باپ تو گدھا گاڑی ہانکتا تھا۔

لائیڈ نے ایک نظر اس شخص پر ڈالی اور پر سکون انداز میں کہا "یہ شخص ٹھیک کہتا ہے، میرا باپ مر چکا ہے اور گاڑی بھی نہیں رہی مگر میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ گدھا اب بھی موجود ہے۔"

مقرر اور لباس

یہ حقیقت تلخ ہے مگر کونسی حقیقت ہے جو تلخ نہیں ہوتی کہ یہ دنیا تصنع اور بناوٹ کا گہوارہ ہے اور اہل دنیا تصنع و بناوٹ کے پیکر و دلدادہ۔ تب ہی تو مقرر اور لباس کا ایک موضوع قائم ہو سکا ورنہ اس کا امکان ہی نہ تھا۔

نئی جگہ جہاں کے لوگ مقرر سے ناواقف ہوں، نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے سامعین کی توجہ کلیتاً مقرر کے لباس اور اس کی ظاہری وضع پر مرکوز ہوتی ہے اور ساتھ ہی سامعین میں ایک خفیف سا مخالفانہ جذبہ یا سادہ الفاظ میں آزمائش و امتحان کا خیال پیدا ہوتا ہے، ایک کامیاب مقرر سب سے پہلے سامعین کے اسی جذبہ کو دبانا چاہتا ہے کیوں کہ کامیابی کے شہر کا یہ بھی ایک دروازہ ہے۔

مقررین، سامعین کے اس جذبے کو کیسے دبا سکتے ہیں اپنی فصیح و بلیغ تقریر سے؟ ہاں! مگر آپ کی تقریر کے زور، اثر اور ساحری کا فیصلہ تو اس وقت ہو سکے گا جب آپ اپنی تقریر کو ختم کر چکے ہوں گے۔

لیکن کیا آپ نہیں جانتے کہ جوں ہی آپ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے ہیں آپ کا لباس اور آپ کی ظاہری وضع سامعین کی کلیۃً توجہ کا مرکز بن جاتی ہے۔

یعنی آپ اپنے لباس و ظاہری وضع سے سامعین کے اس جذبے کو دبا سکتے ہیں، ایک بار عرب کا مشہور خطیب نخار بن اویس عذری ایک معمولی عبا پہنے کسی مجلس کے کونے میں بیٹھا تھا۔ حضرت امیر معاویہ کی نظر پڑی تو حقارت سے دیکھ کر کہا "ایسا آدمی کیا تقریر کرے گا"!

بولا ——— "یا امیر المومنین میری عبا نہیں بولے گی، میں بولوں گا۔" مق بن زید نے ایک بار جبلہ الغانی کے سامنے مدحیہ قصیدے

کے ساتھ ایک پر فصاحت تقریر کی۔ جبکہ اس نے کہا "شہد اچھا ہے برتن اچھا نہیں" دمشق کی مسجد میں ایک خستہ حال مقرر آیا، رواج کے مطابق اس کو کوئی اہمیت نہ دی گئی لیکن جب اس نے اپنی خطابت کے جوہر دکھائے تب سامعین کو مقرر کی شخصیت کا پتہ چلا جب یہ معلوم ہوا کہ وہ عرب کا مشہور خطیب تھا، سب نے معذرت کی اور کہا:

"ہم اور تم دونوں مجرم ہیں، تم نے فقیروں کی صورت میں آکر بادشاہوں کی طرح تقریر کی۔"

حیدر آباد کے ایک بڑے مشاعرے میں ایک غریب شاعر پھٹے پرانے کپڑے زیب تن کئے ہوئے اپنی غزل سنانے کیلئے جوں ہی اسٹیج پر آیا اس کی ظاہری حالت سامعین کے لئے موضوع مذاق بن گئی باوجود اس کے کہ شاعر کا کلام دوسرے خوش پوشاک حضرات سے بدرجہا بہتر تھا۔

انسان کی شخصیت کا اندازہ اس کی خوبیوں کے ذریعہ کرنے والوں کی اس دنیا میں بہت کمی ہے۔

علیا بن ہشم نے ایک بار حضرت عمرؓ کے سامنے نہایت برجستہ تقریر کی، آپ ہمہ تن گوش رہے جب وہ چلا گیا تو آپ نے فرمایا:

"آدمی کا تجربہ اس کی خوبیوں سے ہو سکتا ہے۔"

لاکھوں کی بگڑی ہوئی دنیا کو اپنے نفسیاتی مشوروں کے ذریعہ بتانے والے کارنیگی نے کہا تھا:

"میں موسم گرما میں ہر سال دریائے میس پر مچھلی کے شکار کو جایا کرتا ہوں، بذات خود مجھے بالائی خندق زیادہ پسند ہے مگر میں دیکھتا ہوں نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ مچھلی کیڑے مکوڑے پسند کرتی ہے اس لئے جب میں شکار کو جاتا ہوں تو اس پر غور نہیں کرتا کہ مجھے کیا پسند ہے بلکہ اس کا خیال کرتا ہوں کہ مچھلی کیا چاہتی ہے۔"

جب مچھلی کو للچانے کیلئے اس قدر اہتمام کی ضرورت ہے تو
پھر انسانوں کی تسخیر کے لئے کیوں نہ اس سے زیادہ خیال رکھا جائے۔"

مُعّطر اور دانت

انسانی جسم کی چکی میں جس کو طبی زبان میں ہضمی نظام کہتے
ہیں، دانت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ غذا کو ہاضم بنانا ان ہی کا
کام ہے، تندرستی اور صحت کا دارومدار دانتوں پر ہے، دانتوں
کی اہمیت و افادیت کا اندازہ شاید آپ اس امر کی وضاحت سے
کر سکیں کہ یورپ میں فوج کے ہر سپاہی کے دانت اور دانت صاف
کرنے کے برش کا ہر روز معائنہ کیا جاتا ہے۔

یورپ کی بعض بیمہ کمپنیاں اپنے گاہکوں کی حفاظت کیلئے اپنی گرہ
سے دانت بنانے اور دانتوں کی حفاظت کرنے کے لئے ڈاکٹروں
کو مقرر کرتی ہیں۔ دانتوں کی بیماری سے جو اموات واقع ہوتی ہیں
اور اس کا جو اثر بیمہ کمپنیوں کے مالیہ پر ہوتا ہے۔ اس نقصان سے
بچنے اور خسارہ سے محفوظ رہنے کی خاطر بیمہ کمپنیاں ایسا عمل کرتی
ہیں جس کے باعث انہیں خاطر خواہ نفع ہوتا ہے۔

دانتوں کی اکثر بیماریوں سے صحت انسانی متاثر ہوتی اور اکثر دفعہ تو
ہلاکت کی منزلوں تک پہنچاتی ہیں، اسکی واحد وجہ دانتوں سے ہماری
بیجا غفلت ہے، ہر روز صبح غذا سے زیادہ اہمیت دانتوں کو دیا
کیجئے، علاوہ ازیں درمیان میں بھی جب کوئی چیز استعمال کی جائے تو
دانتوں کو اچھی طرح صاف کر لیا کیجئے، کھانے کے بعد منھ کو اچھی طرح صاف
کر لیا کیجئے، ایسا نہ کرنے سے دانتوں میں ریشے رہ جاتے ہیں جو سڑ گل
کر فساد پھیلاتے ہیں نہ صرف ہضمی نظام کو بلکہ غدود، ناک، کان، پھیپھڑے اور

دوسرے اعضاء کو بھی متأثر کرنے والی بیماریوں کا سبب بن جاتے ہیں ، دانتوں میں غذا کے ذرات سڑ جانے سے دانت خراب ہوجاتے ہیں، جب ایک دانت خراب ہونا شروع ہوتا ہے تو اپنے پاس والے دانت کو بھی جلد سڑا دیتا ہے جیسا کہ ایک سڑا ہوا آم اپنے قریب کے دوسرے آموں کو سڑا دیتا ہے۔ بہ یک وقت گرم و سرد اشیاء کا استعمال بھی دانتوں کے لئے مضر ہے۔

دانتوں کی صفائی، اہمیت اور اس کے حفاظتی طریقوں سے آگاہی مقرر کے لئے اس لئے بھی ضروری ہے کہ تقریر انسان کی ایک آواز ہے آواز کے صحیح مخرج کا دارومدار انسان کے آلات تکلم پر منحصر ہے، آلات میں سب سے پہلے جس چیز پر بار بار نظر پڑتی ہے وہ دانت ہیں، یہی وجہ ہے کہ دانت کی ساخت اور اس کی مختلف کیفیات کا خطابت سے گہرا تعلق ہے۔

زید بن جندب، عرب کا ایک مشہور خطیب تھا جس کے دانت زرد تھے اور ایک دانت زائد، اہل ادب کا بیان ہے کہ اگر اس میں یہ دونوں عیب نہ ہوتے تو وہ عرب کا سب سے بڑا (بے عیب) خطیب ہوتا۔

ایک موقع پر خلار بن یزید الارقط اور زید بن علی الحسین نے تقریریں کیں، اہل ادب کا بیان ہے کہ دونوں کی تقریریں ایک ہی معیار کی تھیں، مگر چوں کہ خلار بن یزید کے اگلے دانت ٹوٹے ہوئے تھے اس لئے ان کے منہ سے ایک قسم کی بدنما آواز نکلتی تھی جو زید بن علی کو خلار بن یزید سے ممتاز کراتی تھی۔

سب دانت گر جانے کی صورت میں تو حروف و الفاظ کا فصاحت سے ادا ہونا ناممکن ہوجاتا ہے۔ صحتِ تلفظ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے، کہ زبان کی گردش خلاء میں نہ ہو بلکہ اس کو منہ کے اطراف میں کوئی ایسی چیز

ملنی چاہیئے جس کے ساتھ اس کو مس یا اتصال کرنے میں مدد ملے۔ تمام دانت موجود رہنے کی صورت میں زبان کا اتصال دانتوں سے ہوتا ہے، دانتوں کے گر جانے پر مسوڑے ان کے قائم مقام ہوجاتے ہیں لیکن صرف چند دانتوں کے ٹوٹنے کی صورت میں زبان کی حرکت خالی فضا میں ہوتی ہے، دانتوں کی عدم موجودگی کے باعث احتکاک ممکن نہیں ہوتا، جو دانت بچ رہتے ہیں وہ ٹوٹے ہوئے دانتوں کے مسوڑوں سے ملنے میں مزاحم ہوتے ہیں جس کا نتیجہ تلفظ میں فرق کی صورت اختیار کرتا ہے، تلفظ کے فرق سے تقریر کے اثر میں کمی پیدا ہوجاتی ہے، جب حضرت امیر معاویہ کے اگلے دانت گر پڑے اس وقت سے آپ نے تقریر کرنی چھوڑ دی، عبدالملک کے دانت ہلنے لگے تو انہوں نے ان کو تاروں سے بندھوا دیا اور کہا:

"اگر ممبر اور عورتیں نہ ہوتیں تو میں ان کے ٹوٹ جانے کی پرواہ نہ کرتا"

حضرت سہل بن عمرو جو عرب کے مشہور خطیب تھے اور اسلام لانے سے پہلے رسول کریم کی مخالفت میں تقریریں کیا کرتے تھے، ان کے نیچے کے ہونٹ کٹے ہوتے تھے وہ ایک غزوہ میں گرفتار ہوئے تو حضرت عمرؓ نے رسول کریمؐ سے فرمایا کہ ان کے نچلے دانت اکھاڑ دیئے جائیں تاکہ ان کی زبان میں لغزش پیدا ہوجائے اور اس طرح ان کی تقریروں میں اثر باقی نہ رہے۔

آواز

کیا آپ جانتے ہیں کہ آواز میں اتنا اثر کیوں ہے کہ وہ پردۂ گوش سے دماغ تک پہنچتے ہی سرچشمۂ خیالات و جذبات کو جگاتی اور دل پر بے انتہا اثر کرتی ہے تب ہی تو ایک دردناک آواز سے زیادہ کوئی چیز

جذبات کو ابھارنے والی نہیں؟

ارل آف ڈربی۔ گلیڈ اسٹون۔ وبسٹیر۔ جان ایڈم، ہاں ان میں ہر ایک اپنی آواز کی خوبی میں ممتاز تھا۔ تب ہی تو تاریخ خطابت نے انہیں حیات دوام بخشی۔

خطابت کے لئے آواز کا اچھا ہونا اثر پذیری کا ایک مؤثر ذریعہ ہے شاید آپ کو یہ معلوم نہیں کہ:

لارڈ چیٹلم کو آواز کی خوبی ہی نے شہرت بخشی تھی اور یہ بھی آواز کی خوبی کا نتیجہ تھا کہ ولیم بٹ ۲۱ رسال کی عمر میں شہرت کی اس منزل پر پہنچ گیا جس کو منتہائے شہرت کہتے ہیں اور شاید آپ یہ بھی نہیں جانتے کہ:

اپنے حافظے کے خزانہ میں علوم و فنون کے لعل و گوہر رکھنے والے "برک" کا مقام اس کی کرخت آواز نے متاثر کیا تھا۔

اہل عرب بھی بلند آواز خطیب کی مدح اور پست و خراب آواز خطیب کی ہجو کیا کرتے تھے۔

کسی نے ایک بدوی سے پوچھا: "حسن کیا چیز ہے؟"

بولا "لمبا قد، بڑا سر، چوڑا منہ اور بلند آواز"!!

عرب کا ایک شاعر ایک مقرر کی ہجو میں کہتا ہے:

ومن عجب الایام ال قمت ناتھا

وانت مثیل لصوت منتقع السحری

(یہ نہایت عجیب بات ہے کہ تو بولنے کھڑا ہوا ہے حالانکہ تیری آواز پست ہے اور تیرا دم چڑھنے لگتا ہے۔")

تو معلوم ہوا کہ آواز میں ایک قسم کی موسقیت ہوتی ہے جو اثر پذیری کی روح ہے۔

آپ بھی اپنی آواز میں اس قسم کی موسقیت پیدا کر سکتے ہیں،

بشرطیکہ آپ نہ اتنا تیز بولیں کہ ڈزل کار کی رفتار ہو اور نہ اتنا دھیما کہ بنڈی کی رفتار معلوم ہونے لگے۔ بلکہ ایک سیکل کی جو اوسط رفتار ہوسکتی ہے، یہی رفتار آپ کی تقریر کے لئے مناسب ہے۔

بعض مقررین کی تقریریں، پنجاب میل کے مشابہ ہوتی ہیں اور بعض اتنی سُست رفتاری سے تقریر کرتے ہیں گویا وہ چمن میں چہل قدمی فرما رہے ہیں، تقریر کی رفتار تقریر کے مختلف حصوں میں مختلف ہونی چاہیئے۔ جہاں دلائل کی تشریح مطلوب ہو وہاں آہستگی وسہولت لازم ہے، جہاں جوش کا اظہار مقصود ہو وہاں آواز کو تیز کرنے کی ضرورت ہے۔

تیز رفتاری سے تقریر کے باعث دوران تقریر میں آپ کا ہر لفظ سامعین کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ہر لفظ کا ایک مقام ہوتا ہے اور ساتھ ہی ہر لفظ کی ایک روح (جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں پیش کی جائے گی) لہٰذا ہمیں مختلف اوقاف کے ادا کرنے کے دوران میں اتنی دیر سانس کو توڑنا اور دم لینا چاہیئے جتنا ان مختلف اوقاف کا مقصد ہوتا ہے۔

ہر فقرے کو آواز کے مناسب اُتار چڑھاؤ سے ادا کیجیئے، اسی مناسبت سے جس مناسبت سے لکھنے یا بولنے والے نے لکھا یا بولا ہے۔

ایک فقرے سے دوسرے فقرے کو جدا کرنے کے لئے ذرا سا وقفہ تقریر کو سریع الہضم بنا دیتا ہے، صاف اور بلند آواز سے خوش آیند لہجہ میں ایسی تقریر کیجیئے کہ الفاظ صاف ادا ہوں اور سماعت پر بار نہ ہو۔

واس کے ایک مشہور وکیل بیری نے لکھا ہے کہ:

"میں ایک بہت اچھا مقدمہ اس وجہ سے ہار گیا کہ میں نے بحث بلند آواز سے شروع کی اور اس کی وجہ سے میرا دماغ بہت جلد تھک گیا اور میرے قوئی دماغی بالکل معطل ہوگئے، میں باوجود اپنی کوشش کے اپنی آواز کو پست نہ کرسکا، نتیجہ یہ ہوا کہ میں مقدمہ ہار گیا"

آواز کی صفائی کا تعلق ناک کی صفائی سے ہے، نزلہ اور زکام کی حالت میں آواز کا بھاری ہو جانا ناک کے نتھنوں سے آواز کے تعلق کی اچھی مثال ہے۔ نتھنوں کی صفائی سے آواز کی صفائی کا گہرا تعلق ہے لہذا اس طبی مشورے کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔

آواز کے تعلق سے ذیل میں سی بار ٹیلے کا مشورہ پیش کیا جاتا ہے جو ہر لحاظ سے جامع اور قابل عمل ہے اور جو نتیجہ کے اعتبار سے فائدہ بخش اور مفید ہے۔ وہ کہتا ہے کہ

"روزانہ آواز سے پڑھو یا روزانہ تقریر کرو (خواہ وہ تقریر تنہائی میں ہو) مگر شروع میں آواز کو اوسط درجہ پر استعمال کرو۔ رفتہ رفتہ اس کی بلندی کے درجے کو اونچا کرتے جاؤ یہاں تک کہ تمہاری آواز اس بلند درجہ پر پہنچ جائے جہاں سے اگر تم اپنی آواز کو اور اونچا لے جاؤ تو تکان بھی ہو اور آواز پر زور بھی پڑے اس بلندی پر پہنچکر ٹھہر جاؤ اور آواز کو بلند لے جانے اور تھکانے کی غلطی نہ کرو۔ اس کے بعد رفتہ رفتہ آواز کے درجے کو پست کرنا شروع کرو یہاں تک کہ تمہاری آواز اس جگہ پر آجائے جہاں سے تم نے اسے بلند کرنا شروع کیا تھا، روزانہ کی مشق صرف اس قدر ہونی چاہیئے کہ آواز میں تکان کے آثار پیدا نہ ہوں کیوں کہ آواز کو تھکانے کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو آواز کے استعمال کے سرے سے مشق ہی نہ کرنے کا ہوتا ہے۔"

اس سلسلے میں بار ٹلے نے غذا کے متعلق بھی چند مفید مشورے دیئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ "وہ چیزیں نہ کھاؤ جن کے متعلق تجربہ تمہیں یہ بتائے کہ وہ تمہارے حلق اور آواز کو خراب کرنے والی ہیں۔ آواز اور حلق کو صاف کرنے کیلئے ایسی دوائیں بھی استعمال نہ کرو جو موقتی طور پر مفید مگر مستقل طور پر مضر ثابت ہوں۔"

(ہنر مند) اپنے آلات صفائی کا خیال رکھتے ہیں، تقریر بھی ایک ہنر ہے اور مقرر ہنر مند، لہذا ہمیں بھی اپنی آواز (بشمول آواز) کا بطور خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

ایکشن کی اہمیت

الفاظ کی ترجمانی کا مفہوم جب حرکات وسکنات سے تکمیل پاتا ہے تو اس کو ہم مقرر کی اداکاری کہتے ہیں، ہر اندرونی جذبہ اپنی بیرونی علامت سے پہچانا جاتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جو مؤثر آثار وکیفیات کے پیدا کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، اس معاملے میں، سی ہارٹلے کہتا ہے:

"چہرے پر مؤثر آثار وکیفیات طاری کرنے کا صرف ایک طریقہ ہے اور وہ یہ کہ جو کچھ تمہاری زبان سے نکل رہا ہے اور جن الفاظ وواقعات سے سامعین کو متأثر کرنا چاہتے ہو تو اس کو سمجھو اور اس کو محسوس کرو۔"

"سمجھو اور محسوس کرو" کے الفاظ میں خلوص وجوش کی اہمیت کو واضح کیا جارہا ہے۔ بہ الفاظ دیگر مقرر کے لئے ایکشن اس کا قدرتی وصف ہے، دورانِ تقریر میں ایکشن سے کام لینا عرب کے مشہور خطیب ابوشمر اور اس کے بعض ہم عصروں کی نظر میں مقرر کی کمزوری کا ثبوت خیال کیا جاتا تھا۔

ابوشمر ایک موقع پر ابراہیم بن سیّار النظّام سے مخالفانہ گفتگو کر رہا تھا۔ تو خود بخود اس کے ہاتھ پاؤں میں ایک قسم کی حرکت پیدا ہوگئی اور اس طرح یہ ثابت ہوا کہ زورِ کلام کے لئے ایکشن کوئی مصنوعی چیز نہیں بلکہ یہ ایک قدرتی وصف ہے۔

ایک یونانی فصیح کی تعریف کرتے ہوئے کسی نے خوب کہا ہے کہ "اس کی پُرجوش تقریر میں نہ صرف اس کی زبان بولتی تھی بلکہ اس کا ہر عضو زبان بن جاتا تھا۔"

ایکشن کی اہمیت قطع نظر اس کے کہ وہ ایک قدرتی وصف ہے وہ اپنا ایک نفسیاتی اثر بھی رکھتی ہے۔

اور خود گنازی کی تقریر کی دلکشی بھی اس کے مؤثر اشارات کی رہین منت تھی ۔ کرنل گراہم نے اپنی تقریر کی کامیابی کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

"متغیر چہرہ اور ایکشن ہی سامعین کے دلوں پر اثر کی بجلی گراتے ہیں"

لیکن ساتھ ہی اس بات کا خیال بھی ضروری ہے کہ حرکات فطری اور بے تکلف ہوں اپنی مصنوعی حرکات جو غیر موزون اور دکھاوے کی دکھائی دیں وہ اثر کے اثر میں کمی کا موجب بن جاتے ہیں اس لئے مقرر کو چاہئے کہ وہ الفاظ کی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کرے تاکہ اس سے برموقع موزون اور مناسب حرکات سرزد ہوں، آئینے کے سامنے تقریر کی مشق کر کے بھی اپنی غیر موزون حرکات سے پرہیز اور موزون و مناسب حرکات کے اختیار کرنے میں مدد لی جا سکتی ہے اور اس طرح کے عمل سے ہم سامعین کے قلوب کو متاثر کر سکتے ہیں۔

لندن کے ایک بڑے پادری نے ٹیرین سے پوچھا کہ

"یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ اسٹیج پر کسی ایسی حکایت کو بیان کر کے جس کے سچ ہونے کا لوگوں کو یقین نہ ہو اور ساتھ ہی اس واقعہ سے ان کا کچھ تعلق بھی نہ ہو ان کو رلایا یا ہنسایا جائے اور اس طرح ان کے جذبات بے قابو کر دیئے جا سکیں۔ حالانکہ یہی لوگ وعظ وغیرہ کے موقع پر جو ان کے فائدے اور آرام سے متعلق ہوا کرتا ہے بالکل خاموش بیٹھے رہتے ہیں"

اس تماشہ گر نے جواب دیا:

"یہ اس لئے کہ ہم اداکار ہیں ——— تم سچ کو بطور فسانہ ظاہر کرتے ہو، ہم فسانے کو مانند سچ"

ہم بھی "فسانہ کو مانند سچ" کر سکتے ہیں بشرطیکہ ہم ہر وقت ہاتھ پیر، انگلیوں وغیرہ کے ذریعہ مختلف جذبات و خیالات کا مؤثر ذریعہ

سے اظہار کریں۔

ایک موقع پر قائدِ ملّت نواب بہادر یار جنگ اصلاحات کے عنوان پر تقریر فرما رہے تھے، دوران تقریر میں سر اکبر حیدری کی مخالفت مقصود تھی نواب صاحب نے جھکتے ہوئے اپنے ہاتھ کو اپنے قدموں تک لیجاتے ہوئے فرمایا کہ

"جی چاہتا ہے کہ سر اکبر حیدری کو پانچ (دبیر کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے) سلام کروں ــــــــ مقصود پانچ سلام نہ تھے بلکہ خاطر خاص کے لئے ــــــــ پانچ ــــــــ؟"

مجمع میں ہر ایک اس نکتے کو سمجھ گیا ــــــــ مجمع کی تھکی ہوئی طبیعتوں میں پھر سے تازگی آگئی ــــــــ سارا مجمع ہنس پڑا۔

اس طرح ایک طرف مطلب خاص کی ادائی ایکشن کے ذریعہ انجام پاگئی اور دوسری طرف تھکی ہوئی طبیعتوں کو تازگی مل گئی۔

خطبائے عرب کے نزدیک بھی ایکشن کی بڑی اہمیت تھی، دورانِ تقریر میں مؤثر اشارات سے کام لینے والے خطیب کو حقیقی معنوں میں خطیب سمجھا جاتا تھا۔

حضرت امیر معاویہ نے جب یزید کے ہاتھ پر بیعت لینی چاہی تو ایک مقرر نے ان کی تائید میں تقریر کی اور ان کی طرف اشارہ کر کے مجمع سے خطاب کیا کہ

"امیر المؤمنین یہ ہیں" پھر یزید کی طرف اشارہ کر کے کہا "اگر تم ان کو نہیں مانتے تو امیر المؤمنین یہ ہیں" پھر اپنی تلوار کو جنبش دے کر کہا "اگر ان کو بھی نہیں مانتے تو امیر المؤمنین یہ میری تلوار ہے"۔

مقرر کے بروقت اشاروں نے امیر معاویہ کو اتنا مؤثر کیا کہ وہ فوراً بول اٹھے:۔ "تم عرب کے سب سے بڑے خطیب ہو!"

نفسیات[1]

مقرر کو سب سے بڑی ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ فطرتِ انسانی کا نباض ہو، نفوس بشری کے باہمی تاثیر و تاثر، فعل و انفعال کے قوانین کا راز داں ہو، یہ جانتا ہو کہ جذبات انسانی سے کس طرح کھیلا جا سکتا ہے، اس گوئیے کا تصور کرو جو اس نکتہ سے ناآشنا ہے کہ مختلف راگ، کن کن حالات نفس کے متناسب ہوتے ہیں پھر دیکھو کہ یہ پیشہ ور اپنے ان حریفوں سے جو حیات انسانی کے ان نکات سے آشنا ہوتے ہیں کامیابی کی دوڑ میں کس قدر پیچھے رہ جاتا ہے، قائدین کی اثر پذیر تقریروں کی نمایاں خصوصیت ان کی نفسیات دانی ہے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کی بدولت وہ بڑے سے بڑے مجمع کو اپنے قابو میں رکھ سکتے ہیں اور وہ (عوام) ایسے محو سماعت ہو جاتے ہیں کہ قوت فیصلہ ان سے سلب ہو جاتی ہے اور وہ (سامعین) مقرر کے اشاروں پر کام کرنے لگتے ہیں۔

غرض، دنیا میں جتنے علوم و فنون، جتنے پیشے اور جتنے مشاغل انسان کے لئے ہو سکتے ہیں ان میں ایک بھی ایسا نہیں جس میں حصول کامیابی کیلئے حیات نفسی کے اصول و قوانین سے عملاً واقف ہونا ضروری نہ ہو اور جس علم میں حیات نفسی کے ان اصول و قوانین کی باقاعدہ تشریح کی جاتی ہے۔ اسی کا نام نفسیات ہے، ———— سامعین کے احساسات، مجموعے کے جذبات کا صحیح اندازہ مقرر کی کامیابی اور تقریر کی اثر پذیری کا بڑا ذریعہ ہے، مجمع کی مثال ان ندیوں کی سی ہے جو مختلف سمتوں سے آکر ایک بڑے دریا میں مل جاتی ہے، اس طرح اس کے حرکات و سکنات اجتماعی احساس کے تابع ہو جاتے ہیں، اس اثر کو کام میں لانے کے لئے چند تاثرات کارفرما ہوتے ہیں، جن میں بعض کا تعلق مقرر کی ذات سے اور بعض کا مجمع کے افراد سے ہوتا ہے فلسفہ جذبات سے آگاہی کیلئے علم النفس کا

[1] اس عنوان کے تحت جو مواد پیش کیا گیا ہے، اس میں مولانا عبدالماجد دریاآبادی کی کتاب فلسفہ جذبات سے مدد لی گئی ہے۔

گہرا مطالعہ ازبس ضروری ہے، ہم ذیل میں نفسیات سے متعلقہ ان امور سے بحث کریں گے جن کا تعلق مبتدیانِ فن سے ہے۔

(۱) کسی جلسے میں شرکت سے پہلے اس جلسے کی نوعیت کو ذہن نشیں کر لینا ضروری ہے یعنی ایک مذہبی اجتماع کے احساسات اور ایک ادبی اجتماع کے احساسات اور ان اجتماعات کی نفسیات میں کافی فرق ہوتا ہے۔

(۲) عام طور پر مبتدیانِ فن اپنا اثر قائم کرنے کی غرض سے خودستائی پر اتر جاتے ہیں اور اس طرح انہیں اپنی بڑائی منظور ہوتی ہے لیکن بقول کوٹیلس "سب سے بڑھ کر مقرر کے لئے ہر قسم کی خودستائی معیوب ہے" لہذا ہمیں ہر قسم کی خودستائی سے دور رہنا چاہیئے کیوں کہ خودستائی اور ہمہ دانی کے اظہار سے نعمت، لعنت بن جاتی ہے، ——— بقول علامہ اقبال :-

"نعمت کے مطابق انسان کو ظرف نصیب نہ ہو تو نعمت لعنت بن جاتی ہے۔"

(۳) نومشق مقررین سے عموماً مضحکہ خیز غلطیاں سرزد ہوتی ہیں جو سامعین کے مذاق کا موجب بن جاتی ہیں، یا مخالف مجمع ہو تو ایسی صورت میں مقرر کی تواضع ایسے الفاظ سے کی جاتی ہے جس پر اسے غصہ آئے اور وہ جھنجھلا اٹھے، ایسے موقعوں پر غصے کا اظہار کرنا گویا مخالفین کو ان کے ارادوں میں کامیاب کرنا ہے۔ مخالفین کے سامنے اپنے خیالات کو اس طور پر پیش کرنا چاہیئے کہ گویا ایک نئی چیز غور کیلئے پیش کی جا رہی ہے، دلائل کی مناسبت سے آواز میں مناسب اُتار چڑھاؤ ہونا چاہیئے، علم نفسیات ہی کی بدولت ایک مقرر ایک مخالف مجموعے کی مخالفت کو یا مخالف مجمع میں اپنے مقصد کو کھونے کی بجائے علم منطق کی مدد سے استغراقی و استخراجی طریقوں کو کام میں لاتا ہے اور عوام کے جذبات پر قابو پاتا ہے۔

(۴) مجمع کے قومی خصوصیات کا ذکر کر کے اگر ان سے اپیل کی جائے تو یہ ان کی نفسیات کے عین مطابق ہے کیوں کہ ——— بقول ڈیل کارنیگی :-

"ہر ایک کو اپنی تعریف پسند ہے"

(۵) عوام کے جذبات سے اپیل کرو۔

(۶) مخالفین میں تقریر کرتے ہوئے ہمت و حوصلے سے کام لو اور اپنے دلائل کے ذریعہ مخالفین کی ہمتیں پست کرنے کی کوشش کرو، یورپ[1] کی ایک مشہور یونیورسٹی کا ایک پروفیسر جس کی دستارِ علم پر طرۂ دولت بھی ہے ایک شب جب کہ وہ اپنے کمرے میں تنہا سو رہا تھا دفعتہً ایک ڈاکو پستول سے مسلح اس کی خوابگاہ میں داخل ہوا اور پستول کو پروفیسر کی پیشانی پر رکھ کر اس سے چھپی ہوئی دولت کا پتہ دریافت کر رہا ہے، سوئے ہوئے پروفیسر کی آنکھ کھلتی ہے تو خفتگی بخت کا منظر روبرو نظر آتا ہے اور ساتھ ہی یہ حقیقت بھی کہ اگر ذرا بھی شور و غل یا مدافعت کی گئی تو شاید پھر ہمیشہ کے لئے سو جانا پڑے۔

اب نفسیات دانی کا افادہ عملی دیکھو کہ اس کے چہرہ پر اضطراب و بدحواسی کی خفیف سے خفیف علامت بھی ظاہر نہ ہونے پائی وہ نہایت اطمینان اور بے خوفی کے ساتھ ڈاکو سے کہتا ہے کہ

"یہ کیا مردانگی ہے کہ ایک سوئے ہوئے غیر مسلح شخص پر تم تین آدمی مل کر حملہ آور ہوتے ہو"

ڈاکو جو تنہا آیا تھا، گھبرا کر پیچھے دیکھنے لگتا ہے کہ یہ دو اور ساتھی کہاں سے پیدا ہو گئے، پروفیسر کو کوئی موقعہ ہاتھ آ گیا، وہ حملہ آور سے جھپٹ کر پستول چھین لیتا ہے اور اسے بہ آسانی مغلوب کر لیتا ہے۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ پروفیسر سیکالوجی (نفسیات) کا پروفیسر تھا جو نفسیات کے اس راز سے واقف تھا کہ ایسے موقعوں پر کامیابی کا سب سے مؤثر ذریعہ اپنے حواس کو مجتمع رکھنا اور حریف کو بدحواس کر دینا ہے۔

---

[1] فلسفۂ جذبات از مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ۔

بابِ سوّم

تقریر کی قسمیں

بہ اعتبار مقصد تقریر کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً مذہبی پرچار، سیاسی پروپگنڈہ، ادب کی اشاعت وغیرہ وغیرہ، لیکن ان کی تقسیم سیاسی وغیر سیاسی کی بنیاد پر بھی کی جاسکتی ہے، ہم اسی بنیاد پر اس کی تفصیلات بیان کریں گے۔

سیاسی نوعیت کی تقریروں میں پارلیمنٹری تقریریں، انتخابی تقریریں، کسی سیاسی رہنما کا یوم پیدائش، تاریخی دن اور تاریخی مہینے مثلاً ۱۵ اگسٹ ۲۶ جنوری، یوم مئی، یوم لینن وغیرہ شامل ہیں۔

پارلیمانی تقریروں میں آداب پارلیمنٹ کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ یہ عام تقریروں سے کافی مختلف ہوتی ہیں اور ان تقریروں کا مقصد ان مسائل کا اظہار ہوتا ہے جو عوامی شکایت یا ضرورت کی شکل میں رکنِ پارلیمان کے پیشِ نظر ہوتے ہیں۔

انتخابی تقریریں

کسی اسکیم کو کامیاب بنانے اور کسی مقصد کو قبولیتِ عامہ عطا کرنے کیلئے پروپگنڈے کی ضرورت ہوتی ہے، انتخابی تقریروں میں اپنی مخالف جماعتوں کی مخالفت، امیدوار کی شخصیت اور جماعت کی اہمیت (جماعت کا دو امیدوار ہے) ظاہر کی جاتی ہے۔ اس قسم کی تقریروں میں انداز بیان عام فہم اور دلکش، بیجا طوالت سے گریز اور ظرافت کی چاشنی ضروری ہے۔

کسی سیاسی رہنما کا یوم پیدائش، یا تاریخی دن

براوننگ کہتا ہے:

"جو قومیں اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا دیتی ہیں، تاریخ بھی ان قوموں

کو فراموش کر دیتی ہے"

ہر ذی شعور قوم، اپنے خاص دنوں کی یاد اور اپنے رہنماؤں کا یوم پیدائش
دیوم وفات مناتے ہیں، اہل ہند ۱۵ اگست اور ۲۶ جنوری کو خوشی و مسرت کا دن
سمجھتے ہیں۔ ساتھ ہی جہاں نہرو جینتی منائی جاتی ہے وہیں گاندھی جی کے قتل کا
دن ان کے لئے سوگواری و ماتم کا دن ہوتا ہے۔

اس قسم کی تقریروں کیلئے قبل از قبل مواد اور ضروری معلومات کا
مہیا رکھنا سہولت کا موجب ثابت ہوتا ہے، اس قسم کی تقریروں میں طرز بیان کو
بڑا دخل ہے ——— اس قسم کی تقریروں کے علاوہ اور یوں تو تقریر کی
اور بھی قسمیں ہیں لیکن ان کی تفصیلات کی مبتدیان فن کو چنداں ضرورت نہیں
ذیل میں عام سیاسی جلسوں کے بارے میں چند ایک اہم باتیں بیان کیں جائیں گی
جن کا تذکرہ ازبس ضروری ہے:۔

جلسہ ہائے عام

جلسہ ہائے عام کی بھی مختلف قسمیں ہیں مثلاً سیاسی
جلسۂ عام، ادبی جلسۂ عام، بعض جلسے موقتی
مسائل کے تعلق سے طلب کئے جاتے ہیں، بعض خاص مقاصد کے تحت، موقتی
مسائل کے تعلق سے جو جلسے طلب کئے جاتے ہیں ان کے تعلق سے ہر کس و ناکس کچھ نہ
کچھ ضرور جانتا ہے لیکن ان جلسوں کے متعلق جو بعض خاص اغراض کے تحت
طلب کئے جاتے ہیں۔ بہت کم لوگ واقفیت رکھتے ہیں، ان جلسوں میں وہ جلسے بھی
شامل ہوتے ہیں جو جلسہ سالانہ کے نام سے موسوم ہیں، ہر جماعت خواہ وہ سیاسی ہو یا
غیر سیاسی اپنے سال کے ختم پر ایک جلسۂ عام طلب کرتی ہے۔ اس قسم کے بڑے
جلسوں میں انتظامی دشواریوں کو ختم کرنے کی غرض سے گیارہ ارکان (یا حسب
ضرورت اس سے کم یا زیادہ) پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے اس کمیٹی کو
مجلس استقبالیہ کہتے ہیں، اس کا ایک صدر اور ایک معتمد ہوتا ہے، جلسے کا افتتاح
صدر استقبالیہ کے خطبے سے ہوتا ہے۔ بعد ازاں صدر جلسہ اپنا خطبہ پڑھتا ہے، پھر

مقررین کی باری آتی ہے جو مختلف موضوعات پر اظہارِ خیال کرتے ہیں۔ ان جلسوں میں مختلف تحریکات بھی پیش کی جاتی ہیں۔ جو اکثر و بیشتر بلا اختلاف منظور کر لی جاتی ہیں۔ جلسے کا اختتام معتمد انجمن کے شکریئے پر عمل میں آتا ہے۔

چوں کہ جلسہ عام میں مختلف طبقات کے افراد شریک رہتے ہیں اس لئے ان جلسوں میں تقریر عام فہم زبان میں کی جانی چاہیے، ان جلسوں میں عوام کے قلب و دماغ کو دلائل سے نہیں بلکہ جذبات سے متاثر کیا جاتا ہے اور اسطرح ان میں جوش پیدا ہوتا ہے، عوامی تقریروں میں جوش کی وہی اہمیت ہے جو اہمیت چاریں شکر کی ہے۔

جانتے ہو! جوش کیا چیز ہے؟

جوش نام ہے اس کیفیت کا جو اندر ہی اندر کام کرتی اور حاضرین کو اپنا مافی الضمیر محسوس کرواتی ہے۔

جوش پیدا کرنیوالی تقریروں میں پہلے دعوے کا پیش کرنا مفید نہیں ہوتا بلکہ اکثر یہ طریقہ مفید ثابت ہوتا ہے کہ پہلے اپنے دلائل پیش کئے جائیں، دلائل کو کچھ اس طور پر پیش کیا جائے کہ سامعین بطور خود ہمارے اظہار خیال سے وہی نتیجہ نکالیں جو ہمیں ثابت کرنا ہے۔

یاد رکھو! عوامی تقریروں میں داناؤں کی طرح غور کرو اور عوام کی زبان میں بولو، دلائل سے زیادہ "جوش" عوامی جذبات کے دھارے کو بدلتا ہے

خطبۂ استقبالیہ

جلسہ کی اصل کارروائی خطبۂ استقبالیہ سے شروع ہوتی ہے، اس خطبہ میں صدر مجلس استقبالیہ سب سے پہلے جلسہ کی نوعیت بعد ازاں مسائل متعلقہ پر روشنی ڈالتا ہے۔

حاضرین جلسہ کے جذبات کی تعریف اور صدر جلسہ کے بارے میں اظہار خیال کے علاوہ بعض اوقات اس مقام کی تاریخی یا علمی حیثیت کا بھی ذکر آتا ہے جس مقام پر جلسہ منعقد کیا جاتا ہے ——— صدر استقبالیہ کے مخاطب صدر جلسہ، مندوبین مہمانان (عمومی خصوصی) اور عوام ہوتے ہیں، آخر میں عوام، مہمان اور صدر جلسہ کا خیر مقدم

کرتے ہوئے جلسہ کی کامیابی کے تعلق سے نیک تمناؤں کا اظہار کیا جاتا ہے۔

خطبۂ صدارت

خطبۂ صدارت جلسہ کی نوعیت پر منحصر ہے، مثلاً ادبی جلسے اور سیاسی جلسے کے خطبۂ صدارت ایک ہی نوعیت کے نہیں ہو سکتے۔

مخاطبت خطیب کے مخاطب یوں تو عوام ہوتے ہیں مگر وہ بطور خاص صدر مجلس استقبالیہ و اراکین مجلس استقبالیہ کے علاوہ مہمانِ خصوصی کو مخاطب کرتا ہے ــــــ خطبۂ صدارت خواہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی ان میں چند چیزیں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً اپنے انتخاب پر عوام کا عمومی طور سے اور مجلسِ استقبالیہ کا خصوصی طور سے شکریہ ادا کرتے ہوئے کسرِ نفسی سے کام لیتے ہیں۔

بعد ازاں بسا اوقات مقام جلسہ کی اہمیت (یعنی اس کی تاریخی یا ادبی حیثیت کا تذکرہ) بھی درمیان میں آجاتا ہے ــــ بعد ازاں موضوع متعلقہ پر مختلف ذیلی عنوانات کے تحت مختلف نقاط کو پیش نظر رکھتے ہوئے اظہار خیال کیا جاتا ہے

مذہبی خطبے عموماً آیتوں یا اشلوک سے شروع کئے جاتے ہیں اور ان کا اختتام دعائیہ جملوں یا کسی آیت پر عمل میں آتا ہے، سیاسی خطبوں میں آخر میں ایک بار پھر سے اپنے مدعا کو مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہوئے جذبۂ عمل کو ابھارا جاتا ہے۔

ادبی خطبوں میں عموماً موضوع متعلقہ کو پھر سے مختصر الفاظ میں دُہرایا جاتا ہے یا قول یا شعر پر اختتام عمل میں آتا ہے۔ خطبہ استقبالیہ اور خطبۂ صدارت کو قبل از قبل لکھ کر تیار رکھا جاتا ہے کیوں کہ دستور کے مطابق یہ خطبے زبانی نہیں دیئے جاتے۔

رپورٹ جلسہ سالانہ میں معتمدِ انجمن اپنے سال بھر کی رپورٹ، بغرض توثیق پیش کرتا ہے، رپورٹیں عموماً خشک اور غیر دلچسپ ہوتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ عوام کو اس سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے دل چسپ انداز میں پیش کیا جائے۔

سالانہ رپورٹ کے علاوہ، بعض جلسوں کی ہفتہ واری، پندرہ روزہ

ماہانہ، سہ ماہی رپورٹیں بھی ہوتی ہیں۔ معتمد ہر جلسے کی رو داد کو اسی نوعیت کے دوسرے جلسے میں پیش کر کے حاضرین سے توثیق حاصل کرتا ہے، حاضرین کی توثیق پر صدر جلسہ اپنی دستخط ثبت کرتا ہے، روداد میں عموماً حسب ذیل باتیں بیان کی جاتی ہیں:۔ (۱) صدارت (۲) جلسہ کی تاریخ (۳) وقت (۴) مقام جلسہ (۵) جلسے کی نوعیت (اگر تقریر یا مباحثہ ہو تو رائے شماری اور اس کا عنوان اور اگر کسی ادبی یا سیاسی یا مذہبی انجمن کی سالانہ رپورٹ ہو تو اس میں سال بھر جن مسائل کو سلجھانے اور جن اسکیمات کو رو بہ عمل لانے کی سعی کی گئی اور اس تعلق سے جو جد و جہد کی گئی اس کے جو نتائج بر آمد ہوئے اس کا تفصیلی تذکرہ کیا جاتا ہے)

تحریکات

کسی شخص کی جانب سے جب اس کا اپنا خیال یا عوامی خیالات سے متاثرہ خیال تحریری شکل میں، کسی اجتماع میں بغرض منظوری پیش کیا جاتا ہے تو وہ تحریک کہلاتا ہے۔ لیکن عوام کی منظوری کے بعد اس کی انفرادی حیثیت باقی نہیں رہتی، بلکہ وہ عوام کا خیال سمجھا جاتا ہے۔

تحریک پیش کرنے والا محرک اور اس کی تائید کرنے والا مؤید کہلاتا ہے ——— پہلے محرک، تحریک پڑھ کر سناتا ہے اور پھر اس تحریک کی اہمیت و افادیت کو واضح کیا جاتا ہے۔ بعد ازاں مؤید محرک کے خیالات کی روشنی میں تحریک کی اہمیت کو واضح کرتا ہے۔

محرک کی تحریک کا کوئی جز تشنہ ہو یا قابل اعتراض ہو تو ایسی صورت میں سامعین کو اس میں ترمیم کا بھی اختیار ہوتا ہے لیکن بعد ترمیم اس تحریک کا دوبارہ (بغرض منظوری) پیش کیا جانا ضروری ہوتا ہے۔

اگر کسی تحریک کو کسی وقت یا کسی اور وجہ سے ملتوی کرنا چاہیں تو اس کے لئے تحریک التوا پیش کرنی پڑتی ہے جس پر حاضرین کی آرار کے بعد صدر، نتیجے کا اعلان کرتا ہے۔

اگر محرک اپنی تحریک واپس لینا چاہے تو اس وقت تک واپس لے سکتا ہے جب تک کہ تحریک کی وضاحت نہ کی گئی ہو، اگر تحریک کی وضاحت کی جا چکی ہو تو ایسی صورت میں تحریک کی واپسی کے لئے حاضرین کی آرار ضروری ہو جاتی ہیں۔

شکریہ

یہ بھی ایک رسمِ کہن ہے، اس رسم کی تکمیل نہ صرف مختلف انجمنوں کے ادبی، سیاسی، مذہبی جلسوں میں ہوتی ہے بلکہ وہ مختلف سماجی پروگرام بھی ان سے مستثنیٰ نہیں جو ڈراموں اور سماجی سنگیت و رائٹ شو، وغیرہ کی شکل میں اپنے پروگرام پیش کرتی ہیں:۔

شکریہ (جو پروگرام کا آخری جز ہوتا ہے) اس میں حاضرین و معاونین کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے، شکریئے میں الفاظ شستہ و سبک اور شیریں، اندازِ بیان سلجھا ہوا ہو تو اس کا اثر دوبالا ہو جاتا ہے۔

غیر سیاسی تقریریں

غیر سیاسی تقریروں میں مذہبی تقریریں، ادبی تقریریں، اصلاحی تقریریں اور سماجی تقاریب سے متعلقہ تقریریں شامل ہیں۔

مذہبی تقریریں

مذہبی تقریروں کی کئی قسمیں ہیں مثلاً تقریر، وعظ، ذکر وغیرہ۔ مذہبی جلسوں کا مقصد روحانی ترقی اور باطنی شائستگی ہوا کرتا ہے، یہ تقریریں بھی کئی

نوعیت کی ہوتی ہیں، مثلاً پیمبر یا نبی کا یوم پیدائش، نیز خاص مذہبی دن مثلاً شب برات، شب معراج، گنیش، چوتھ وغیرہ، علاوہ ازیں مختلف مذہبی مسائل پر بھی عام طور پر تقریریں ہوا کرتی ہیں، ان مختلف حیثیتوں کی مذہبی تقریروں کا مقصد اپنے مذہب کی خوبیوں کا پرچار اور اس کا تحفظ ہوا کرتا ہے۔ یہ تقریریں عام تقریروں سے بالکل مختلف ہوا کرتی ہیں، ان تقریروں میں انداز بیان دلکش اور پُر اثر و پُر درد، الفاظ سبک و شیریں، دلائل دلنشیں ہونا ضروری ہے اور ساتھ ہی ان متذکرہ بالا خوبیوں کو بیجا طوالت سے متأثر نہ کیجئے۔

ان خاص خاص مہینوں اور ان تاریخوں کا انتظار کیجئے جو آپ کو تقریر کا موقع فراہم کرتے ہیں، ان تقریروں کے لئے اپنی فرصت کے اولیں لمحات میں ضروری مواد کو فراہم کر لیا کیجئے۔ اور تقریر سے کچھ دنوں پیشتر اپنے مواد پر نظرِ ثانی کر لیجئے اور اس نظر ثانی کے وقت جو ضروری باتیں ذہن میں آئیں انہیں بھی سپرد قلم کر کے ان پر غور کیجئے اور ان باتوں کو پیش نظر رکھئے جو "تقریر کرنے کے طریقے" کے زیر عنوان بیان کی گئی ہیں۔

ادبی تقریریں

ادب سے متعلقہ تقریروں کو ادبی تقریر کہتے ہیں۔ ان تقریروں کی بہ اعتبار مقصد کئی قسمیں ہیں مثلاً تقریر توسیعی، تقریر مباحثہ وغیرہ، ان میں ہر ایک سے متعلق ذیل میں تفصیلی روشنی ڈالی جائے گی۔

عام ادبی تقریریں

عام طور پر ادبی انجمنیں مختلف ادبی عنوانات مقرر کرتی اور ان

عنوانات پر تقریر کے لئے مقررین کو مدعو کرتی ہیں (مثلاً روسی ظرافت، ترقی پسند ادب کیا ہے وغیرہ) ان عنوانات پر مختلف مقررین اظہار خیال کرتے ہیں۔ عام جلسوں کی طرح اس جلسہ کا بھی ایک صدر ہوتا ہے۔

مباحثہ

ادبی تقریر کی ایک اہم قسم مباحثہ ہے، جیسے کہ سب ہی جانتے ہیں کہ اختلافِ رائے کا لازمی نتیجہ مباحثے کی صورت اختیار کرتا ہے مباحثے کی ایک شاخ مناظرہ بھی ہے، خلافت عباسیہ کا عہد اس قبیل کے مباحثوں کے لئے مشہور ہے۔ مباحثے کی دو قسمیں ہیں (۱) تربیتی (۲) انعامی۔

تربیتی و عام اور انعامی مباحثہ

ایسے مباحثے جو مشق کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں تربیتی مباحثہ کہلاتے ہیں۔ اور عام مباحث سے مراد ایسے مباحثے ہیں جو عوام کی معلومات میں اضافے کے پیش نظر منعقد کئے جاتے ہیں۔

عنوان کی تائید میں اپنے خیالات کا اظہار کرنے والا محرک کہلاتا ہے، سب سے پہلے جو مقرر عنوان کی تائید میں اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اسے مباحثے کی آخر میں مخالفین کی مخالف دلیلوں کا جواب دینا پڑتا ہے۔

مباحثوں میں مواد، مطالعہ سے زیادہ غور و فکر سے حاصل کرنا چاہیئے اور مشاہدے کی مدد سے ایسی مثالیں پیش کرنا چاہیئے جو روزمرہ ہوں۔

اختتام پر سارا خلاصہ بیان کر کے اپنے دعوی کا پھر سے اعادہ

کیجئے تاکہ سامعین کو پھر سے آپ کے موضوع کی صداقت کا یقین ہو سکے۔
مباحثہ کا اختتام کبھی مقررہ وقت سے ہٹ کر نہ ہونے پائے، کیونکہ غیر متوقع اختتام کے باعث، مباحثہ کا سارا اثر، بے اثر ہو جاتا ہے۔

مباحثے کے دوران میں اکثر مقرر ایسے ایکشن کے مرتکب ہوتے ہیں جو جگ ہنسائی کا موجب ثابت ہوتے ہیں، اِدھر اُدھر گھومنا ناخن کو دانتوں سے کترنا اور ہاتھ پاؤں کو اس طرح حرکت دینا کہ لکچر ہال، فزیکل ہال معلوم ہونے لگے، ان ساری خامیوں سے دور رہنا کامیابی کی دلیل ہے۔

تقریر کے دوران میں اس امر کا خیال ضروری ہے کہ ہر سمت اور ہر رخ کے سامعین ہمارے مخاطب ہیں۔

انعامی مباحثوں اور عام مباحث میں کوئی فرق نہیں ہوتا مگر انعامی مقابلوں میں وقت کا خیال اور ساتھ ہی مواد، زبان اور طرز بیان کا لحاظ ضروری ہوتا ہے۔

دلائل

اپنے مخالف کے قابل گرفت نکات کو کاغذ کے پرزے پر یا حافظہ میں محفوظ رکھئے تاکہ آپ اپنی تقریر میں معترض کے اعتراض کا جواب دے سکیں، بسا اوقات معترض کے اعتراضات کو اپنے حسب مدعا بنا لینے پر وہ دلیل کا کام دیتے ہیں۔

جس طرح ایک ماہی گیر دریا میں جال پھیلا کر کافی جگہ گھیر لیتا ہے اسی طرح ایک مقرر کا بھی فرض ہے کہ وہ اپنے سارے دلائل کو پیش کرے مگر جس طرح ماہی گیر اپنے جال کے متعلقہ حصے کو فراموش نہیں کرتا اسی طرح مقرر کا بھی فرض ہے کہ وہ موضوع کے مرکزی نقطے کو پیش نظر رکھے۔

سماجی تقاریب سے متعلقہ تقریریں

ضیافتی وعصرانوی تقاریر

عصرانے، عشائیے اور اس قسم کی دوسری دعوتوں میں جو تقریریں ہوا کرتی ہیں انہیں ضیافتی تقریریں کہا جاتا ہے۔ سرکاری وغیر سرکاری ادارے اور انجمنیں مختلف موقعوں پر اس قسم کے تقاریب کا اہتمام کیا کرتی ہیں، لیکن انجمنوں اور اداروں سے ہٹ کر انفرادی حیثیت میں بھی اس قسم کی دعوتوں کا اہتمام عمل میں آتا ہے۔ اس قسم کی تقاریب کے موقعہ پر جو تقریریں کی جاتی ہیں ان میں اختصار، رنگین بیانی، بذلہ سنجی اور موقعہ شناسی پیش نظر ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس قسم کی تقریروں کا مقصد سامعین کے دماغ پر بار ڈالنا نہیں ہوتا بلکہ مختصر الفاظ میں اظہار مدعا اور اہل محفل کو مسرور کرنا ہوتا ہے۔

سپاس نامہ

یہ انسان کی دلی تمنا اور خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے محسنوں کا بہتر طور پر شکریہ ادا کرے، اور ان کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم رکھے۔ متمدن ممالک میں سپاس ناموں کا رواج عام ہے، سپاس ناموں کو مرتب کرنے کے لئے چند لائق اہل قلم حضرات کو منتخب کیا جاتا ہے، سپاس ناموں میں نپے تلے الفاظ اور واضح جملوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ القاب، مدعا اور تمہید، اختتام پر نیک تمناؤں کا اظہار، یہ سپاسنامے کے ضروری اجزاء ہیں۔

وداعی تقریر

وداعی تقریروں میں پہلے رخصت ہونیوالے سے اپنی محبت وخلوص کا اظہار کیا جاتا ہے اور دوسرے حصے میں اس کی جدائی پر اظہار تاسف کیا جاتا ہے اور آخر میں

اس کی کامیابی کیلئے نیک تمناؤں کا اظہار۔

تعزیتی تقریریں

بقول ایک ہندی فلسفی کہ "موت ہر شخص کا پیدائشی حق ہے"۔ اور ہر کس و ناکس اس حق سے استفادہ کرتا ہے، لیکن چند ایک ایسے خوش نصیب بھی ہوتے ہیں جن کی موت عزیز و اقارب سے ہٹ کر اوروں کو بھی متاثر کرتی ہے اور یہ عموماً ایسی شخصیتیں ہوتی ہیں جن کا اجتماعی زندگی سے تعلق ہوتا ہے۔

اس قسم کی تقریریں عموماً پانچ نکات پر مشتمل ہوتی ہیں:۔

۱۔ تمہید۔ ۲۔ خدمات کا اعتراف۔ ۳۔ اظہار تعزیت۔
۴۔ پسماندگان کو تسلی۔ ۵۔ دُعا۔

اس قسم کی تقریروں کا مقصد نوجوان کے جذبات واحساسات کو جگانا اور مرنے والے کی تعلیمات کو عام کرنا ہوتا ہے۔

نشری تقریر

ریڈیو کی ایجاد سے تقریر کی اہمیت و افادیت میں بہت اضافہ ہوا اور ہو رہا ہے۔ مختلف اہم اور نازک موقعوں پر رہنمایان قوم، گورنر اور اسی طرح دوسرے صاحبان اقتدار کے لئے اپنے خیالات کے اظہار کا اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں۔ کیوں کہ وقت واحد میں ایک شخص کے خیالات، دنیا کے ہر گوشے میں سنے جا سکتے ہیں۔ ۲ رجون ۱۹۴۷ء کی شب ہندوستان میں اقتدار کی منتقلی سے قبل قائد اعظم اور پنڈت نہرو اور ساتھ ہی لارڈ لوی مونٹ بیٹن نے اہل ہند کو مخاطب کیا تھا جو تاریخ ہند کا ایک یادگار واقعہ ہے۔

اسی طرح پولیس ایکشن کے بعد وزارت سے مستعفی ہونے سے قبل

حیدرآباد کے سابق وزیراعظم میرلایق علی اور اتحادالمسلمین کے قائد صدیق دکن کی تقریریں اپنی نوعیت کے اعتبار سے نشری تقریر کا ایک یادگار باب ہیں ۔ خود ہند کے پردھان منتری بھی اکثر و بیشتر تاریخی موقعوں پر اہل ہند کو مخاطب فرماتے رہے ہیں، یہ بات ہندستان ہی پر موقوف نہیں بلکہ کرۂ ارض کے ہر حصے میں، ہر ملک کے فرماں روا، گورنر یا صدر جمہوریہ اپنے خیالات کا اظہار نشری تقریر ہی کے ذریعے کیا کرتے ہیں جو نشری تقریر کی اہمیت وافادیت کا کھلا ثبوت ہے ۔

نشری تقریر اور عام تقریروں میں چند چیزیں مابہ الامتیاز ہیں جن میں آواز، طرز بیان، تلفظ اور رفتار نمایاں ہیں ۔

آواز کا مناسب اتار چڑھاؤ، نشری تقریر میں اثر پذیری کے لئے کامیاب رہتا ہے کیوں کہ عام تقریروں میں جہاں وجاہت ظاہری اپنا اثر دکھاتی ہے وہیں نشری مقرر کی شخصیت کا آئینہ اس کی آواز ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ آواز کی خرابی کی صورت میں باوجود معیاری مضمون کے اکثر مقررین کو نشرگاہ سے مایوس لوٹنے کی زحمت سے دوچار ہونا پڑتا ہے ۔

نشری تقریر میں رفتار کا بھی بطور خاص خیال رکھنا چاہیئے، نشری تقریر کی رفتار عام گفتگو سے کسی قدر تیز اور بلند ہونا چاہیئے ۔ رفتار نہ بہت تیز ہو، نہ انتہائی پست، بس اتنی کہ سامعین مقرر کے خیالات قبول کرسکیں، اس طرح ہر جملے کے بعد چند سکنڈ کا وقفہ دو فائدوں کا حامل ہے ۔

(۱) سامعین کو خیالات کے قبول کرنے میں آسانی ۔ (۲) خود مقرر کو نئے جملے کے شروع کرنے اور مناسب لب ولہجہ کے اختیار کرنے میں سہولت ۔

تقریر کے دوران میں زور زور سے سانس لینے اور کاغذ کو الٹنے سے ناخوشگوار آوازیں پیدا ہوتی ہیں جو تقریر کے اثر میں کمی کا موجب ثابت ہوتی ہیں ۔ ان باتوں کے ساتھ ساتھ زبان کی سلاست و شستگی، مانوس وعام فہم الفاظ کا استعمال اثر پذیری کے لئے ضروری ہے، ان باتوں کے علاوہ کچھ اور

باتیں بھی ہیں جن کا بیان ضروری اور جن کی تفصیل ناگزیر ہے۔

ریڈیو ایک سرکاری ادارہ ہے[1] اس کا پہلا مقصد سرکاری اغراض کی تبلیغ و اشاعت ہے اس کے بعد عوام کے ادبی ذوق کی تکمیل کیلئے ایسی تقاریر کا انتظام کرنا جو کسی فرد یا فرقہ کے مذہبی یا سیاسی پروپگنڈہ سے غیر متعلق ہو۔

عام[2] طور پر ارباب ریڈیو ایسی ہی تقریروں کا انتخاب کرتے ہیں، جو ہر طبقہ، ہر [illegible] کیلئے یکساں طور پر فائدہ بخش ثابت ہو سکیں یعنی تقریر زبان کے اعتبار سے عام فہم اور وقت کا اعتبار کرتے ہوئے پندرہ منٹ سے زیادہ نہ ہو، ساتھ ہی عبارت و مفہوم میں مناسب ترمیم یا غیر مناسب حصوں کے حذف کرنے کا بھی ارباب نشرگاہ کو اختیار ہوتا ہے، اکثر و بیشتر اوقات مباحث خود کارکنان ریڈیو کے مقرر شدہ ہوتے ہیں، ان ساری باتوں کو بہتر طریقے پر دھیان میں لانے کیلئے نشرگاہ سے نشر شدہ تقریروں کا مطالعہ اور نشر کی جانے والی تقریروں کی سماعت از بس ضروری ہے۔

اپنی تقریر کو عوام کی تھکن اور ان کی بے توجہی کا شکار بننے سے بچانے کیلئے تقریر میں ظرافت کی چاشنی کا ضرور خیال رکھئے کیوں کہ نشری تقریر میں پسندیدگی یا ناپسندیدگی کا اظہار ریڈیو کی سوئی پر منحصر ہے۔

اپنی تقریر کی تیاری کے بعد اس کو صاف اور کھلے خط میں یا بہتر صورت تو یہ ہے کہ اس کو کاغذ کے ایک رُخ پر ٹائپ کروا کر نشرگاہ بھیجا جائے۔

اس طرح اس محنت و اہتمام کا نتیجہ آپ کی کامیابی کی صورت میں ظاہر ہوگا۔

۱، ۲ ـــہ خندان کے پیشِ لفظ سے یہ مواد ماخوذ ہے۔